- "ولی خان سے اتحاد نہیں ہو سکتا"
مودودی کا تازہ ترین خط

- خوانین نے ۱۵ دیہات تباہ کر دیئے

- چوہدری ظہور الٰہی — کل اور آج

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

۵-۱۲ اپریل ۱۹۷۳ء



قیمت — ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے — ایک روپیہ

اپیل

الفتح، آپ کا پرچہ ہے۔ عوام کی آواز ہے۔

اس کے نیوز پرنٹ کا کوٹہ محدود کیا جا چکا ہے، اشتہارات پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے ۵۸ روپے رم کے حساب سے کاغذ خریدنا پڑتا ہے۔ جبکہ سرکاری طور پر کاغذ ۱۹ روپے بیس پیسے رم کے حساب سے ملتا ہے۔ ہمیں اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کیلئے آپ کے تعاون کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے، آپ اس کے سالانہ خریدار بنیئے اور اپنے دوستوں کو بھی بنائیے۔ ہم نے سالانہ خریداروں کو ایک تہائی سے زیادہ کی رعایت دینے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔

الفتح کی سالانہ قیمت ۳۹ روپے بنتی ہے، آپ ۲۵ روپے کا منی آرڈر بھیج کر ۱۴ روپے کی بچت کر کے سالانہ خریدار بن سکتے ہیں۔

دو سال کیلئے ۷۸ روپے کی بجائے ۴۵ روپے۔

تین سال کیلئے ۱۱۷ روپے کی بجائے ۷۰ روپے ارسال کر کے مستقل خریدار بن جائیے۔

اس طرح ایک طرف آپ اپنے الفتح کی مدد فرمائیں گے اور دوسری طرف آپ کو بھی بچت ہو گی —— آج ہی سالانہ خریدار بنیئے۔

خداکی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

مدیر
وہاب صدیقی

۵-۱۲ اپریل ۱۹۷۳ء

قیمت: ———— ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے: ———— ایک روپیہ

جلد - ۳ شمارہ - ۴۷

اداریہ

متحدہ محاذ (۳)

یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ الفتح متحدہ جمہوری محاذ کی مخالفت اور شدید نکتہ چینی کے ذریعے بالواسطہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حمایت کر رہا ہے جب کہ اس جماعت نے اپنے ڈیڑھ سالہ دور حکومت میں مزدوروں پر بے رحمانہ انداز میں فائرنگ کی۔ کسانوں کی بیدخلیاں ہوئیں مہنگائی بڑھی۔ رشوت میں اضافہ ہوا۔ اس کے بعض ارکانِ اسمبلی نے دونوں ہاتھوں سے روپیہ سمیٹا۔ بعض وزیروں نے اپنے عہدوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا، بدعنوانیوں کے مرتکب ہوئے بنیادی کارکنوں کو نظر انداز کر کے کنونشن لیگی موقع پرستوں کو آگے بڑھایا۔

معترضین کا خیال ہے کہ ان کارروائیوں کے بعد پیپلز پارٹی کی حمایت بد دیانتی کی عکاسی کرتی ہے۔ ان حالات میں بائیں بازو کے کارکنوں کا فرض ہے کہ وہ فسطائیت کیخلاف چلنے والی تحریک میں حصہ لیں۔ آج حالات بالکل ایسے ہی ہیں جیسے ایوب خان کے دور میں تھے اور بحالئ جمہوریت کی تحریک میں بائیں بازو نے ایوب خان کی مخالف قوتوں کا ساتھ دیا تھا۔

ہمیں معترضین کی رائے سے اتفاق نہیں۔ جہاں تک الفتح کا تعلق ہے، ہم نے پاکستان پیپلز پارٹی کی غلط پالیسیوں کے بارے میں بیباک رائے کا اظہار کیا ہے۔ مزدوروں، کسانوں اور دوسرے محروم اور مظلوم طبقات کے خلاف کی جانے والی کارروائیوں پر بلا خوف پر زور احتجاج کیا ہے۔ مفاد پرست ارکان اسمبلی اور وزراء کا پردہ چاک کرنے میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔ اس کی پاداش میں الفتح کو جو سزا ملی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں نیوز پرنٹ اور اشتہارات پر پابندی، الفتح کے کارکنوں کو جیلوں میں بند کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ ہم ہی جانتے ہیں کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر ہر ہفتے الفتح کن مشکلات، دقتوں اور

خاص مضامین

سرورق: انور سمیع

فون: ۴۱۲۲۷۴

ارشاد راؤ پبلشر نے حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ الفتح، ۸۰ ڈی - نرسری کمرشیل ایریا پی-ای-سی-ایچ-ایس، کراچی ۲۹ سے شائع کیا

پریشانیوں میں نکالا جاتا ہے۔

ہماری پالیسی وقتی مصلحتوں کی پیداوار نہیں۔ ہمارے سامنے واضح اصول ہیں ہم ان پر آخر دم تک قائم رہیں گے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی غلط پالیسیوں پر احتجاج بدعنوانیوں، اقربا پروری اور عوام دشمن کارروائیوں پر نکتہ چینی کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ مخالفت برائے مخالفت کی جائے۔ ہماری مخالفت کی بنیاد موجودہ نظام رہا ہے۔ حکمران جماعت نے جو غلطیاں کی ہیں، وہ اس نظام کی پیداوار ہیں۔ جب تک یہ نظام ہے، اس کے مخالف طبقات اپنا عمل دہراتے رہیں گے۔ ان حالات میں ہم اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے عہد پر کاربند ہیں اور ہر آزمائش میں پورا اُتریں گے۔

اصولوں کا سودا نہیں ہو سکتا۔ حکمتِ عملی میں حالات کے مطابق تبدیلیاں آنا ناگزیر ہیں۔ ۱۹۶۸ء کی تحریک کا تجزیہ کیجئے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کا تعلق جاگیردار طبقے سے ہے۔ انہوں نے ایوب آمریت کو للکارا تو بائیں بازو کے فعال ترین حصے نے اُن کا ساتھ دیا۔ اکثریت پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئی۔ بائیں بازو کے ان کارکنوں نے انتہائی خلوص، دیانتداری اور جانفشانی سے پیپلز پارٹی کے منشور کو ملک کے کونے کونے تک پہنچایا۔ مختصر سی مدت میں اس جماعت کو مغربی پاکستان میں مزدوروں، کسانوں، دانش وروں، صحافیوں، طالب علموں اور محروم طبقات میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوگئی۔ مخالف قوتوں نے ان طاقتوں کو کچلنے کے لئے ہر قسم کا دباؤ استعمال کیا۔ قتل، قاتلانہ حملوں سے لے کر وسیع پیمانے پر معاشی قتل عام ہوا۔ اس کے باوجود لوگوں نے پیپلز پارٹی کا ساتھ دیا تو پھر اُن کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کے لئے کفر کے فتوے جاری کئے گئے مگر لوگ بھتے کر، کپڑے، مکان کے حصول اور فوجی آمریت سے نجات پانے کے لئے ڈٹے رہے۔

اس وقت پیپلز پارٹی میں صرف صدر بھٹو ہی اکلوتے جاگیردار نہ تھے۔ مخدوم طالب المولیٰ ممتاز بھٹو، جتوئی برادران، تالپور برادران اور سندھ کے دوسرے بڑے جاگیردار بھی تھے۔ پنجاب میں مسٹر مصطفیٰ کھر کے علاوہ متعدد جاگیردار تھے۔ یہ چہرے بائیں بازو کے سامنے تھے، ان کا طبقاتی پہلو بھی پوشیدہ نہ تھا مگر اس کے باوجود پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر کے مثالی قربانیاں دی گئیں۔

ہمارے نزدیک یہ غلط فیصلہ نہ تھا۔ الفتح پیپلز پارٹی کا صفِ اوّل کا ساتھی رہا ہے۔ اس کی حمایت کی اور سزا بھی بھگتی ۱۹۷۰ء کے حالات کا تقاضا تھا کہ آمریت کے خلاف پیپلز پارٹی کی حمایت کی جائے۔ فوجی آمریت اور نوکر شاہی نے پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے جو کارروائیاں کیں، ان کے نتیجے میں ایک طرف عوام کچلے جا رہے تھے اور دوسری جانب ملک کا وجود خطرے میں پڑ چکا تھا۔ یہ انہی کارروائیوں کا نتیجہ تھا کہ پاکستان کا بڑا صوبہ مشرقی پاکستان علیحدگی کا اعلان کرنے پر مجبور ہوا اور آج باقی چار صوبوں میں علیحدگی کے رجحانات کے پس منظر میں ماضی کا بڑا ہاتھ ہے۔

۱۹۷۰ء میں عوام دوست طاقتوں کا بنیادی فرض تھا کہ وہ ملک کی سالمیت اور وجود کو برقرار رکھنے کے لئے حرکت میں آئیں۔ فوجی آمریت مزید چند سال باقی رہتی تو مغربی پاکستان کو بچانا ہی مشکل ہوتا۔ روس اکھنڈ بھارت کے لئے بے چین تھا۔ امریکہ کو بھی روس سے اختلاف نہ تھا۔ بیرونی جارحیت منڈلا رہی تھی۔ اور اندرونی طور پر فسطائیت اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ ان حالات میں ایک ایسی جماعت جس نے سوشلزم کو اپنی معیشت کی بنیاد قرار دیا اس کی حمایت مستحسن اقدام تھا۔

آج پیپلز پارٹی کے اقتدار کی مدت تقریباً ڈیڑھ سال ہوگئی ہے۔ نظام بدستور وہی ہے، وہی نوکر شاہی ہے، وہی عمال ہیں اور کاروبارِ مملکت کا چلن بھی نہیں بدلا۔ فرق اتنا ہے کہ فوجی آمریت کی جگہ پاکستان میں جاگیردارانہ جمہوریت نے لے لی ہے۔ اس پارٹی سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، اس کی مقبولیت میں بھی کمی واقع ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے اقتدار سے محروم جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا ہے۔ اس ٹولے کی تمام کارروائیوں کا مقصد حصول اقتدار ہے، اور بس۔ ان کے اقتدار میں آنے سے عوام کی موجودہ مشکلات میں اضافے کی توقع کی جا سکتی ہے، کسی کا خیال تک نہیں کیا جا سکتا۔ عوام ان سے خوش ہوتے تو یہ ٹولہ ماسوائے نیپ اپنی بھرپور قوت، توانائی اور لاؤ لشکر کے ساتھ یحییٰ خان کے ساتھ تھا۔ ان میں سے جماعت اسلامی اور پ۔ڈی۔پ نے تو مشرقی پاکستان میں اپنی حکومت تک قائم کر لی تھی لہٰذا یحییٰ خان اپنے منصوبے کے مطابق حکمران رہتا۔ لیکن عوام نے اس کے خلاف بھی اتنی ہی شدت سے ردِ عمل کیا جتنا کہ ایوب کے خلاف کیا تھا۔

یہ ٹولہ عوام کی حمایت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ دوسرے طریقے اپنانے کی فکر میں ہوگا، اس میں اسے کامیابی ہوگئی تو اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوں گے۔ یہ سوچنا کہ آج وہی حالات ہیں جو ایوب خان کے دور میں تھے، غلط اندازوں یا ذاتی مصلحتوں، گروہی سیاست اور حالات سے بے خبری کی نشاندہی کرتا ہے۔ صدر بھٹو بالغ رائے دہی کے

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

احوال واقعی

ولی خان سے ہمارا اتحاد نہیں ہو سکتا

مودودی کا اعلان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فون نمبر۔ ۵۲۵۰۷

حوالہ 630

تاریخ 14 MAR 1973

جماعت اسلامی پاکستان

۵۔ اے۔ ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ مولانا محترم نے درج ذیل جواب لکھنے کی ھدایت فرمائی ھے ۔ جن حضرات کے ساتھ رابطہ قائم کرکے ، اتحاد کی آپ نے تجویز دی ھے ؛ انہین اتحاد پر آمادہ کرنا ھمارے بس مین نہیں ھے۔ یہ وہ حضرات ھین جو دن رات ھمارے خلاف پراپیگنڈا کرتے رھتے ھین ۔ سوشلسٹوں اور ولی خان جیسے حضرات سے ان کا اتحاد ھو سکتا ھے اور ھوا ھے مگر جماعت اسلامی کے ساتھ اتحاد کی بات آپ ان سے کر کے دیکھ لین پھر آپ کو اندازہ ھوگا کہ ھمارے خلاف ان کے دلون مین کس قدر کینہ اور بغض و عناد بھرا ھوا ھے ۔ اتحاد کی دیوارین وہ گرا رھے ھین۔ ھم نے تو کبھی ان حضرات کے خلاف کوئی پراپیگنڈا نہین کیا۔

خاکسار

غلام علی

معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

مودودی کے خط کا عکس

واقعۂ حال

محترمی و مکرمی۔ السلام علیکم و رحمت اللہ

آپ کا خط ملا۔ مولانا محترم نے درج ذیل جواب لکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جن حضرات کے ساتھ رابطہ قائم کرکے، اتحاد کی آپ نے تجویز دی ہے۔ انہیں اتحاد پر آمادہ کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں، جو دن رات ہمارے خلاف پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔

سوشلسٹوں اور ولی خان جیسے حضرات سے ان کا اتحاد ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ مگر جماعت اسلامی کے ساتھ اتحاد کی بات آپ ان سے کر کے دیکھ لیں۔ پھر آپ کو اندازہ ہو گا کہ ہمارے خلاف ان کے دلوں میں کس قدر کینہ اور بغض و عناد بھرا ہوا ہے۔ اتحاد کی دیواریں وہ گرا رہے ہیں۔ ہم نے تو کبھی ان حضرات کے خلاف کوئی پراپیگنڈا نہیں کیا۔

خاکسار

غلام علی

معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

یہ ایک خط ہے، جو ۱۴ مارچ ۷۳ء کو اچھرہ کے وائٹ ہاؤس سے پاکستان اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے چیئرمین انیس الرحمان کے نام لکھا گیا۔ اس خط میں مولانا مودودی نے "سوشلسٹوں اور ولی خان جیسے حضرات" سے اتحاد کو ناممکن قرار دیا اور نیپ پر جماعت اسلامی سے بغض و عناد اور اتحاد کو نقصان پہنچانے کا الزام لگایا۔

لیکن اس خط کو تحریر کئے چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ متحدہ جمہوری محاذ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ جس میں نیپ اور جماعت اسلامی بھی شامل ہیں۔ بلکہ متحدہ جمہوری محاذ میں جماعت اسلامی کو اس کی حیثیت سے زیادہ پوزیشن دی گئی۔ کیونکہ جماعت کے پروفیسر غفور احمد، محاذ کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ مولانا مودودی کے اس خط کی روشنی میں ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ مولانا! آپ کی جماعت ایک دینی اور اصولی جماعت ہونے کی دعویدار ہے۔ لیکن یہ کیسی دینی اور اصولی جماعت ہے جو چند گھنٹوں کے اندر ہی فوری اور وقتی مفادات کے لئے اپنے موقف سے پھر جاتی ہے۔ یا پھر اس بات کا اعلان کیجیے کہ نیپ نے آپ کو سوشلزم اور اپنے بنیادی اصولوں سے تائب ہونے کا یقین دلایا ہے۔

مولانا مودودی کی اس تازہ ترین قلا بازی کا پس منظر جاننے کے لئے ضروری ہے کہ مولانا موصوف کی شخصیت اور افکار کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے، دراصل مولانا مودودی میگا لو مینیا کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے۔ اس مرض میں مریض کو خود ستائی اور اپنی بڑائی کا خبط ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ زندگی میں اس کو قابل فخر کردار ادا کرنا ہے۔ حقیقت میں یہ مرض احساس کمتری کا ردِ عمل ہے۔ تضاد اس کا وصف ہے۔ انانیت پسندی، شیخی خورہ پن، بات کہہ کر مکر جانا اور برملا جھوٹ بولنا، اس مرض کی علامتیں ہیں۔ اور اپنے غلط اقدام کو دیدہ دلیری کے ساتھ جائز قرار دینا مریض کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔

مولانا مودودی کی تحریریں اور تقریریں اس تشخیص کا ثبوت ہیں۔ مثلاً وہ جھوٹ کو برا نہیں سمجھتے۔ بلکہ عملی زندگی میں جھوٹ بولنے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

۹۔ عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے، بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ

ایک طرف اتحاد، دوسری طرف مخالفت۔ جماعت اسلامی کی قلابازیاں

دیا گیا ہے ـــــ ۰

(ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۸ء)

دیکھئے "ممتاز عالم دین" اور "مزاج شناس رسول" مولانا مودودی کس ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ اور حد تو یہ ہے کہ جھوٹ کو واجب بھی قرار دے دیا۔ حالانکہ جھوٹ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے۔ تمام مذاہب اور دنیوی مفکرین نے جھوٹ کو گناہِ عظیم قرار دیا ہے۔ لیکن مولانا مودودی نے از روئے اسلام جھوٹ بولنے کو واجب قرار دے دیا۔ کیونکہ مولانا اسلام کو اپنے گھر کی لونڈی سمجھتے ہیں یا ان کے خیال میں اسلام کسی بے سہارا بیوہ کی جوان بیٹی ہے۔ جو چاہے چھیڑ چھاڑ کرے، کیونکہ روک ٹوک کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ مولانا موصوف کی دیگر تحریروں میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ تردید، در تردید کا مجموعہ ہیں۔ ایک زمانہ تھا، مولانا سیاست کے نام سے بدکتے تھے۔ جماعت اسلامی کو صرف مذہبی جماعت قرار دیتے تھے۔ "سیاست" ان کے نزدیک شجرۂ ممنوعہ تھی۔ انتخابات "شکاری کتوں کی دوڑ کے مترادف تھے"۔ اسمبلیوں میں امیدوار کھڑا ہونا یا ووٹ دینا، قطعاً "حرام" تھا۔ اور چونکہ سیاسی امور میں زیادہ دلچسپی لینے والے وکلاء حضرات تھے۔ اس لئے وکلاء بھی مولانا مودودی کی نظر میں "زنانِ بازاری" کے بعد دوسرے نمبر پر "کسب حرام" کرنیوالے تھے۔ (رسائل و مسائل ۳۸-۱۳۱ صفحہ) ان دنوں مولانا مہاجرین سے سخت نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

● مہاجر بھگوڑے اور بزدل ہیں۔ جنہوں نے
قومیت کی جنگ لڑی اور جب سزا بھگتنے
کی باری آئی تو راہِ فرار اختیار کر لی۔ ۰
(نوائے وقت ۲۹ اگست ۴۸ء)

مولانا مودودی پر سیاست سے نفرت کا بھوت پاکستان بن جانے کے چند سال بعد تک سوار رہا۔ اور اس عرصہ میں ان کی حالت بہت عجیب تھی۔ مولانا نے اسلام کی دہائی دی، اور اپنی دکان سجانے کے لئے اسلام کا مقدس نام استعمال کیا۔ لیکن عوام نے گھاس تک نہ ڈالی۔ علمائے حق نے ان کے غلط مذہبی نظریات کی پول کھول دی۔ مولانا مودودی کے لئے "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" والا معاملہ تھا۔ ان کے لئے دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔ اوّل یہ کہ وہ اپنی مونچھ نیچی کر کے علمائے حق کی جانب صلح کا ہاتھ بڑھاتے، دوم یہ کہ جس سیاست کو وہ شجرۂ ممنوعہ کہتے تھے اسے سینے سے لگا کر بلائیں لینی شروع کر دیتے۔ مولانا نے دوسرا راستہ پسند کیا۔ اور جماعت اسلامی کے "سیاسی جماعت" ہونے کا اعلان کر دیا۔ گویا جو کل تک حرام تھا، وہ مودودی کی یک جنبش لب سے حلال اور "عین اسلام" ہو گیا۔ مذہب اور سیاست کو ایک قرار دے دیا گیا گویا

؎ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

مذہب اور سیاست کو ایک قرار دینے کے بعد جماعت اسلامی کے نزدیک "مغربی سیاست" "عین اسلام" ہو گئی۔ انتخابات "شکاری کتوں کی دوڑ" نہ رہے، اسمبلیوں کے امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونا اور ووٹ دینا "حلال" ہو گیا اور "کسب حرام" کرنیوالے وکلاء معزز ترین شہری بن گئے۔ ناکام وکلاء کے لئے جماعت اسلامی میں گنجائش پیدا کی گئی۔ اب تو ماشاء اللہ سے "کسب حرام" کرنیوالے میاں طفیل محمد جماعت اسلامی کے امیر بنا دیئے گئے ہیں۔ اللہ، اللہ ہوسِ اقتدار انسان کو ذلت کی کتنی گہرائیوں میں گرا دیتی ہے۔

سیاست کی وادی پُرخار میں قدم رکھنے کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ جماعت اسلامی اپنے ماتھے سے اسلام کا لیبل ہٹا دیتی۔ اور مذہبی جماعت ہونے کے دعوے سے دست بردار ہو جاتی۔ لیکن ایسا کرنے سے مولانا مودودی کی انا پر کاری ضرب پڑتی، چنانچہ وہ اپنی پارٹی کو مذہبی جماعت ہونیکا دعویٰ کرتے رہے ہیں۔

جماعت اسلامی اب تک متعدد متحدہ محاذ بنا چکی ہے۔ ایوب خان کے خلاف ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات میں جو سی پی او کے نام سے متحدہ محاذ بنا دیا گیا۔ اس میں جماعت اسلامی بھی ایک فریق تھی۔ نیپ اور عوامی لیگ بھی شامل تھیں۔ لیکن اس وقت مودودی صاحب نے سوشلسٹوں سے متحدہ محاذ بنانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ محترمہ فاطمہ جناح کی کامیابی کے امکانات روشن تھے۔ اور اقتدار کی بندر بانٹ میں مولانا مودودی کو بھی وزارت کی کرسی نظر آ رہی تھی۔

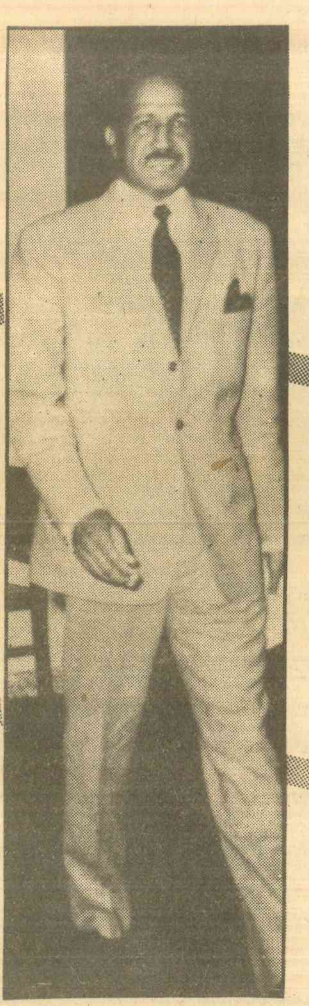
پی۔ ڈی۔ ایم اور جمہوری مجلس عمل میں بھی جماعت اسلامی شامل تھی۔ اس وقت بھی مولانا مودودی نے ولی خان سے اتحاد کرنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ جب جمہوری مجلس عمل، ایوب خان کو سہارا دینے کے لئے گول میز کانفرنس میں مذاکرات کر رہی تھی۔ تو اس وقت مولانا، ولی خان کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ مولانا نے ولی خان کی گول میز میں موجودگی اس لئے گوارہ کی تھی کہ حکومت میں جماعت اسلامی کو بھی چند وزارتیں اور عہدے ملنے کے امکانات تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جمہوری مجلس عمل نے ایوب خان کو شیڈو کابینہ کی ایک فہرست دی تھی۔ جس میں میاں طفیل کو وزیر تعلیم دکھایا گیا تھا۔

لیکن اقتدار کی کرسی پر براجمان ہونے کی حسرت دل ہی میں رہی۔ اس کے بعد انتخابی مہم کے دوران "اسلامی متحدہ محاذ" بنا دیا گیا۔ دراصل یہ "اسلامی متحدہ محاذ" جماعت اسلامی کا دوسرا نام تھا۔ جلسہ اسلامی متحدہ محاذ کے نام سے کیا جاتا۔ لیکن بنیرز، جھنڈے جماعت اسلامی کے ہوتے تھے اور مقررین کی اکثریت بھی مودودیوں کی ہوتی تھی۔ لیکن جب لاہور میں قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر ۱ کے امیدوار نامزد کرنے کا مرحلہ آیا تو مولانا مودودی نے تمام سمجھوتوں اور اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر ڈاکٹر جاوید اقبال کو نامزد کر دیا۔ جب کہ اسلامی متحدہ محاذ جنرل سرفراز کو کھڑا کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں مصالحت کرانے کی کوشش کی گئی، جو ناکام رہی۔ بالآخر نوابزادہ نصر اللہ خان نے ایک پریس کانفرنس میں مولانا مودودی کے دوغلے پن اور سمجھوتے سے انحراف کا پول کھول دیا۔

اب جماعت اسلامی نے نیپ اور دیگر حزب اختلاف کی جماعتوں سے مل کر متحدہ جمہوری محاذ بنانا ہے۔ حالانکہ اسی دن مولانا مودودی نے اپنے مکتوب میں واضح طور پر لکھا کہ سوشلسٹوں اور ولی خان سے اتحاد نہیں ہو سکتا۔ ایک طرف تو مولانا مودودی متحدہ محاذ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ دوسری جانب جماعت اسلامی کا ترجمان "ہفت روزہ ایشیا" متحدہ جمہوری محاذ کی شان میں قصیدے پڑھ رہا ہے۔ تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا رہا ہے۔ چنانچہ وہ ۲۵ مارچ کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

● اب ایک ایسے نازک مرحلے پر جب کہ
پیپلز پارٹی قومی اسمبلی میں اپنی عددی اکثریت
اور حکومت میں اپنے مکمل اختیارات کے بل
بوتے پر ۶۲ء کے دستور سے بھی زیادہ غیر
جمہوری اور آمرانہ دستور مسلط کرنیکی کوشش
کر رہی ہے۔ حزب اختلاف نے اپنی ذمہ داریوں
کا احساس کرتے ہوئے اسمبلی کے اندر اور
اسمبلی کے اندر اور اسمبلی کے باہر بھر قومی
اتحاد کی بنیاد ڈالی ہے.... بھٹو کا ڈٹ کر

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں



چودھری ظہور الٰہی - کل اور آج

حکومت کے خلاف دھواں دھار تقریر کرنے والے رات کی تاریکی میں سودے بازی کرتے ہیں۔

بدعنوانی کے الزام میں ہیڈ کانسٹیبل سے کانسٹیبل بنا دیئے گئے

شاہد کے قلم سے

چوہدری ظہور الٰہی قومی اسمبلی کے رکن ہیں۔ متحدہ جمہوری محاذ کے نفس ناطقہ ہیں۔ کونسل مسلم لیگ کے ممتاز رہنما ہیں۔ اسلام پسندی کے علمبردار اور جمہوریت کے چیمپین ہیں۔ سوشلزم کے سخت مخالف ہیں۔ جگہ جگہ ان کے کارخانے ہیں۔ جگہ جگہ فیکٹریاں چلتی ہیں۔ جائداد اور املاک قطار اندر قطار رکھتے ہیں۔ سرمایہ دار بھی ہیں اور سیاست دان بھی ہیں۔ کانسٹیبل سے کروڑ پتی بننے کا نسخۂ کیمیا بھی جانتے ہیں۔ غرض یہ کہ بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔

ان کی زندگی بڑی پہلودار ہے۔ اس میں چور دروازے ہی چور دروازے ہیں۔ صدر دروازہ کوئی نہیں۔ انہوں نے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ پھر اس جھنجھٹ میں نہ پڑے۔ پلٹ کر اسکول جیا تک دوبارہ نہ دیکھا۔ یہ ۱۹۳۶ء کا ذکر ہے۔ لمبے چوڑے اور ہٹے کٹے تھے، پولیس میں کانسٹیبل بھرتی ہو گئے۔ ساہیوال میں تعینات ہوئے۔ چھ سال تک کانسٹیبلی کرتے رہے۔ ۴۲ء میں ترقی ملی۔ گوجرانوالہ میں ہیڈ کانسٹیبل مقرر ہوئے۔ مگر کچھ ہی عرصے بعد بدعنوانی اور فرض ناشناسی کے باعث تنزلی ہوئی۔ پھر کانسٹیبل کے کانسٹیبل رہ گئے۔

۱۹۴۴ء میں چوہدری ظہور الٰہی کانسٹیبلی سے علیحدہ ہو گئے۔ کیوں ہوئے، کیسے ہوئے؟ یہ علیحدہ داستان ہے۔ ۴۵ء میں وہ وزیر آباد آ گئے اور ایک ٹمبر کمپنی میں قلیوں کے جمعدار لگ گئے۔ یہ محنت مشقت کا کام تھا، جوان کے بس کی بات نہ تھی۔ لہذا یہ ملازمت بھی جلد ہی چھوٹ گئی۔ ان کے ایک بڑے بھائی منظور الٰہی تھے جو امرتسر میں ایک ہندو سرمایہ دار کی ٹیکسٹائل مل میں سپروائزر تھے۔ انہوں نے ظہور الٰہی کو بھی اس کارخانے میں دھندے سے لگا دیا۔ اس نوکری میں محنت زیادہ نہ تھی۔ یعنی صرف مزدوروں میں سوت تقسیم کرنا پڑتا تھا۔

قیام پاکستان تک، یہ معمولی مزدوری پہ سوت بانٹنے کا کام کرتے رہے اور کسی نہ کسی طرح پیٹ پالتے رہے۔ پاکستان بنا تو یہ وطن واپس آ گئے۔ یہاں ان کی ملاقات اپنے ایک رشتہ دار سے ہوئی۔ جنہوں نے ان کی دست گیری کی۔ یہ چوہدری عبدالغنی گھمن تھے۔ سنا ہے کہ یہ دودھ کا کاروبار کرتے تھے۔ ایک زمانے میں وہ دودھ کے بڑے بڑے ڈول سائیکل پہ لٹکائے پھرتے تھے۔ پھر اللہ نے اس کاروبار میں اتنی برکت دی کہ گھمن سے چوہدری عبدالغنی گھمن بن گئے۔ دولت میں کھیلنے لگے۔ دولت آئی تو انہوں نے پر پرزے نکالے۔ سیاست میں داخل ہوئے اور فٹافٹ ترقی کے تمام مراحل طے کرتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ ریپبلکن پارٹی کے دورِ حکومت میں صوبائی وزیر بن گئے۔

چوہدری عبدالغنی گھمن کے دن پھرے تو ظہور الٰہی کی زندگی نے بھی پلٹا کھایا۔ انہوں نے ظہور الٰہی کو پاور لوم لگوا دیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کاروبار کے ذریعے انہوں نے دبا کے سوت کی چور بازاری کی، اور خوب خوب کمایا۔ اس کارگزاری پہ چوہدری عبدالغنی گھمن بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی وزارت سے ظہور الٰہی کو بھی فیض پہنچایا۔ میلارام ملز ان کے نام الاٹ کروا دی۔ ظہور الٰہی مہاجر تھے، نہ متروکہ جائداد پر ان کا حق تھا۔ بہتی گنگا تھی، انہوں نے بھی ہاتھ دھو لئے۔

روایت مشہور ہے کہ میلارام ملز کے الاٹمنٹ سے پہلے انہوں نے ایک اور دھندا شروع کیا تھا۔ اس کاروبار میں ان کے شریک دار چوہدری محمد شفیع سماں تھے۔ دونوں رات کی تاریکی میں واہگہ کے راستے کپڑا اسمگل کرنے کا دھندا کرتے تھے۔ غرضیکہ دولت پیدا کرنے کا جو موقع انہیں ملا، اسے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ روپیہ پاس آیا تو انہوں نے کاروبار کا جال اور پھیلایا۔ ۱۹۵۶ء میں جہلم، سیالکوٹ ٹرانسپورٹ اور کارواں ٹرانسپورٹ کے نام سے دو کمپنیاں قائم کیں۔ اس میں کنبے اور برادری کے بھائی بھتیجوں کے حصے رکھے۔ اور عام حصہ داروں کے حصے غتر بود کر لئے۔

بتایا جاتا ہے کہ بعض مصلحتوں کے باعث جب اپنے

ایوب خان نے انہیں کمالیہ ٹیکسٹائل ملز بخش دی

نام الاٹمنٹ نہ ہوسکا تو منڈی بہاوالدین اور سرگودھا میں جاپان کاٹن فیکٹری اپنے قریبی رشتہ داروں کے نام سے الاٹ کرالی۔ اس دوران ان کے بارے میں ایک داستان اور سننے میں آئی۔ انہوں نے سنٹرل کوآپریٹو بنک، گجرات میں بنولہ رہن رکھوایا۔ لیکن چند ہی روز بعد بنک کے چوکیدار سے مل ملا کر راتوں رات اُڑوا بھی لیا۔ یہ بنولہ چوہدری ظہور الٰہی اینڈ کمپنی کے نام سے رہن رکھا گیا تھا۔ لیکن یہ فریب چھپ نہ سکا۔ راز طشت از بام ہوا۔ معاملہ پولیس تک پہنچا۔ کمپنی کے خلاف پرچہ چاک ہوا۔ تفتیش شروع ہوئی۔ اور ابھی تک ہوتی ہے۔ لطف یہ کہ بنولہ رہن رکھ کر بنک سے جو قرض انہوں نے لیا تھا، اس کا ابھی تک پانچ لاکھ روپیہ واجب الادا ہے۔

۱۹۵۸ء تک ظہور الٰہی کا دھندا اسی طرح چلتا رہا۔ وہ دور بھی عجب دور تھا۔ ملک میں سیاسی افراتفری تھی۔ وزارتیں اور اسمبلیاں بنتی تھیں، ٹوٹتی تھیں۔ محلاتی سازشوں کا دور دورہ تھا۔ جس کی سرکار دربار میں رسائی تھی، اس کے پو بارہ تھے۔ ظہور الٰہی اور ان کے قبیل کے لوگ عیش کرتے تھے۔ دونوں ہاتھوں سے دولت بٹورتے تھے۔

جب ایوب خان نے مارشل لاء لگا کر اقتدارِ مملکت پر قبضہ کیا اور دھڑا دھڑ مارشل لاء قوانین لگا کر دہشت گردی پھیلائی، تو چوہدری ظہور الٰہی بھی دہشت زدہ ہوئے۔ مگر جلد ہی انہوں نے کسی چور دروازے سے ایوب خان تک رسائی حاصل کر لی۔ اس کی خوشنودی کے لئے پی۔ پی۔ ایل (پروگریسو پیپرز لمیٹڈ) کے حصے خرید لئے اور اس کے مالک و مختار بن گئے۔ اس خوشنودی کا جلد ہی صلہ بھی ملا۔ کمالیہ ٹیکسٹائل ملز ان کے نام الاٹ ہوا۔ یہ ایک غیر مسلم کی متروکہ جائداد تھی۔ یہ نہ مہاجر تھے، نہ مستحق مگر جو انہوں نے چاہا وہی ہوا۔

اس کارخانے کی ۵۲۴ کنال زمین میونسپل حدود میں واقع تھی۔ ظہور الٰہی نے میونسپلٹی کے افسروں کو گانٹھا۔ اور کچھ دے دلا کر اس زمین کی مالیت تین لاکھ نوے ہزار تین سو پچاس روپے مقرر کرالی۔ پھر اسے فرضی طور سے ۶، ۷ لاکھ روپے میں پی پی ایل (پروگریسو پیپرز لمیٹڈ) کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس وقت پی پی ایل کے مینجنگ ڈائریکٹر چوہدری ظہور الٰہی تھے۔ ایک طرف وہ اس ادارے سے شائع ہونے والے ملک کے بڑے اخبارات "امروز" اور "پاکستان ٹائمز" سے اپنی تشہیر کراتے۔ قومی صحافت کی سرپرستی فرماتے، اور دوسری طرف پس پردہ کاروباری دھاندلیوں میں اس کے ذریعے فائدہ اٹھاتے۔

چوہدری ظہور الٰہی کو کمالیہ ٹیکسٹائل ملز میں زیادہ بافت کی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے اس کی مشین اور دوسرا ساز و سامان رفتہ رفتہ فروخت کر ڈالا۔ جب صرف مل کی زمین باقی رہ گئی تو انہوں نے مالکان پر حکومت کا رعب گانٹھا ان دنوں وہ ایوب خان کے قریبی حاشیہ برداروں میں شمار ہوتے تھے۔ اس طرح انہوں نے یہ زمین کوڑیوں کے مول خرید لی۔ جب زمین قبضے میں آ گئی تو انہوں نے اسے رہائشی قطعات میں تبدیل کر دیا اور ان کی بھاری قیمت وصول کی۔ حالانکہ قانونی طور پر صنعتی علاقے کی زمین کو رہائشی قطعات بنانا سراسر دھاندلی تھی۔ قانون ان کے سامنے بے بس تھا۔

لیکن وہ لوگ جو ظہور الٰہی کے اس غیر قانونی اقدام سے متاثر ہوئے۔ وہ خاموش نہ رہے۔ انہوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ یہ فریب جب منظر عام پر آیا تو ہر طرف اس کا چرچا ہوا۔ ظہور الٰہی نے گھبرا کر خریداروں سے زمین واپس لے لی۔ اب انہوں نے ایک نیا چکر چلایا۔ اس وسیع زمین کو ہاؤسنگ سوسائٹی میں تبدیل کر دیا اور اس کے نام پر مختلف پلاٹوں کو آٹھ سو روپے فی مرلہ کے حساب سے دوبارہ فروخت کر دیا۔ اس دفعہ ان کو پہلے سے بھی زیادہ قیمت ملی۔ لاکھوں روپے کے وارے نیارے ہو گئے۔

مگر اس دفعہ بھی وہ مار کھا گئے۔ یہ زمین نیشنل بنک آف پاکستان کے پاس رہن تھی۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب خریداروں نے زمین کی منتقلی کے لئے بیع نامے کرائے۔ چنانچہ خریداروں نے قانون کا سہارا لیا اور عدالت سے رجوع کیا۔ جعل سازی کے کئی مقدمات ظہور الٰہی کے خلاف دائر ہوئے۔ آخر کار سینکڑوں پلاٹوں کی یہ خریداری منسوخ قرار پائی۔ ظہور الٰہی جیل جاتے جاتے رہ گئے۔

جعل سازی کا یہ اسکنڈل اس قدر مشہور ہوا کہ ظہور الٰہی کچھ عرصے کے لئے گوشہ نشین ہو گئے۔ ملنے جلنے والوں سے کتراتے۔ مگر خاموش بیٹھنا اور تجربات سے سبق حاصل کرنا ان کی فطرت نہیں۔ دولت ان کی بنیادی کمزوری ہے۔ اس دفعہ انہوں نے کمائی کا ایک نیا دھندا شروع کیا۔ گجرات میں اپنے والد چوہدری سردار کے نام پر پانچ لاکھ روپے کے فنڈ سے ایک ٹرسٹ قائم کیا۔ اس ٹرسٹ کو رفاہ عامہ کا فلاحی ادارہ بتایا گیا۔ اس منصوبے میں [illegible] خیراتی اسپتال کا قیام بھی شامل تھا۔ چنانچہ حکومت کا دباؤ ڈلوا کر عیسائی مشنریز سے اس اسپتال کے نام پر ۱۲ ایکڑ زمین نہایت سستے داموں پر خریدی گئی۔ ساتھ ہی ان ہی سے ایک بہت بڑی عمارت بھی صرف دو لاکھ روپے میں خرید لی۔

کچھ عرصے تک خیراتی اسپتال کا نام چلتا رہا۔ پھر یہ تمام زمین ۸۰ رہائشی پلاٹوں میں تقسیم کر دی گئی۔ اور ہر پلاٹ چار ہزار روپے کے عوض فروخت کر دیا گیا۔ رہی ٹرسٹ کے نام پر خریدی ہوئی عمارت، وہ منہ مانگے کرائے پر زرعی ترقیاتی کارپوریشن کو کرائے پر دیدی۔ اسپتال کے نام پر دواؤں کے جو لائسنس ملے وہ بلیک مارکیٹ میں فروخت ہوئے۔ اس طرح ٹرسٹ اور خیراتی اسپتال مستقل آمدنی کا ذریعہ بن گیا۔ نام عوام کی فلاح و بہبود کا تھا۔ اور بنک بیلنس ظہور الٰہی کا بڑھا۔

ایوب خان کے عہدِ حکمرانی ہی میں چوہدری ظہور الٰہی نے آزاد کشمیر میں محکمہ جنگلات سے اپنے ایک رشتہ دار کے نام پر بہت بڑا ٹھیکہ لیا۔ بتایا جاتا ہے کہ ٹھیکے کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے، لاکھوں روپے کی لکڑی چوری کر کے لاہور لائی گئی، اور کھلے عام فروخت ہوئی۔ جاننے والے جانتے تھے، مگر خاموش تھے۔ زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ ایوب خان کی ناراضگی کا خوف دامنگیر تھا جن کے زیرِ سایہ چوہدری ظہور الٰہی کو ہر دھاندلی اور ہر بدعنوانی کی اجازت تھی۔ ویسے بھی پولیس کے ساتھ ان کا دیرینہ یارانہ تھا اور حکام سے گہرے مراسم تھے۔

اسی لاہور میں ظہور الٰہی نے کئی کارخانے اور فیکٹریاں قائم کیں۔ اپنی جیب سے ان پر کچھ نہ لگایا۔ سب بنکوں کے قرضے سے بنیں۔ اسی دوران انہوں نے ایوب خان کی خصوصی خدمات کے صلے میں شراب تیار کرنے والی کمپنی بنیز کے لئے پرمٹ حاصل کیا۔ اس کا معاوضہ یہ ملا کہ بنیز والوں نے دو لاکھ کے حصص بغیر کسی رقم کے ظہور الٰہی کے نام منتقل کر دیتے۔ اس طرح یہ اس کے ڈائریکٹر بنے۔ اور آٹھ ہزار روپے ماہانہ تنخواہ وصول کرتے رہے۔

۱۹۶۹ء کے آغاز میں جب مغربی پاکستان میں عوامی تحریک پیپلز پارٹی کی قیادت میں اپنے شباب پر تھی۔ ایوب آمریت کے قلعہ میں جگہ جگہ شگاف پڑ چکے تھے۔ مظاہرے، ہڑتالیں، جلسے، جلوس روزمرہ کا معمول تھا۔ کہیں گولی چلتی تھی، کہیں لاٹھی۔ شاہراہیں خون کے چھینٹوں سے سرخ ہوتی جا رہی تھیں۔ عوامی رہنما، طلبہ اور مزدور گرفتار ہوتے اور جیلوں میں بند کیے جاتے۔ جماعت اسلامی

باقی صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں



بھارتی بمباری سے شکر گڑھ کے مکانات کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے

متاثرین جنگ کے امدادی فنڈ میں کروڑوں روپے کی خرد برد

نعیم الحسن

چودھری عبدالرشید راجپوت سیالکوٹ کے اس علاقہ سے تعلق رکھتا ہے جہاں دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت جنگ کے دوران ایسی زبردست تباہی ہوئی جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں خال خال ملتی ہے۔ لہلہاتے ہوئے کھیت بموں کی بارش سے جل کر خاکستر ہو گئے۔ مکانات ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئے۔ ٹھنڈے پانی کے کنویں اور تالاب زہریلے بارود سے سوکھ گئے۔ بستیاں ویران اور تاراج ہو گئیں، ہنستے مسکراتے، بے تحاشہ قہقہے لگانے والے چہرے توپوں اور مشین گنوں کا نشانہ بن گئے یا اپنا گھر بار چھوڑ کر لاہور اور پنجاب کے محفوظ علاقوں کی طرف کوچ کر گئے۔ جنگ کی تباہ کاریوں نے شکر گڑھ، فاضلکا، حسینی والا اور دیگر علاقوں کا حلیہ تبدیل کر کے رکھ دیا۔

چودھری عبدالرشید شکر گڑھ علاقہ کا باشندہ ہے۔

پاکستان کے مقبوضہ علاقوں سے بھارتی فوجیوں کی واپسی اور بارودی سرنگوں کی صفائی کے بعد متاثرہ علاقوں کے باشندوں کو ان کے آبائی گاؤں میں جانے کی اجازت دیدی گئی۔ حکومت نے ان جگہوں کے باشندوں کی از سر نو آبادکاری کے لئے تقریباً ۲۲ کروڑ روپے کی امداد دینے کا اعلان کیا۔ اس میں متاثرہ افراد کے لئے ایک ماہ کا راشن، نقد روپے اور دوسری قسم کی امداد بھی شامل ہے۔ مرکزی حکومت کی طرف سے اس بات کا بھی اعلان کیا گیا کہ بے گھر افراد کو ان کے علاقوں میں فوری اور بنیادی سہولتیں بھی فراہم کی جائیں گی۔ ان اعلانات سے جنگ اور دوسرے مصائب کے شکار بے خانماں افراد کے چہرے کھل اٹھے۔ یہ مایوسی کی گھٹاٹوپ تاریکی میں امید کی کرن تھی جس نے مرجھائے دلوں میں زندگی کی نئی تڑپ پیدا کر دی۔

چودھری عبدالرشید اور اس کے جیسے ہزاروں بے گھر خاندان سرکاری اعلانات کے سہارے اپنے آبائی گاؤں کی جانب چل پڑے، لیکن جب وہ امدادی کیمپوں میں پہنچے تو ان کے خواب کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ یہاں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اقربا پروری کا بازار گرم تھا۔ "کچھ لو اور کچھ دو" کی بنیاد پر امدادی سامان تقسیم کیا جا رہا تھا۔

کئی دنوں کی مسلسل بھاگ دوڑ کے بعد بھی جب عبدالرشید امداد سے محروم رہا تو وہ ایک دن شدید مایوسی کے عالم میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور بے سروسامانی کی حالت میں اپنے آبائی گاؤں کی طرف چل پڑا۔ چند لوگوں نے اسے منع کیا کہ اس طرف تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیسے زندگی گزارو گے، مگر وہ اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر تیار نہ ہوا۔ اسنے اپنے ہمدردوں کو ایک ہی جواب دیا "اس ذلت سے بہتر ہے کہ میں اپنی سوکھی زمین پر بھوکا پیاسا مر جاؤں۔ اب میں ایک منٹ بھی نہیں ٹھہروں گا۔"

جب وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ اپنے آبائی گاؤں میں پہنچا تو ہر طرف ویرانی ڈیرہ ڈالے رقص کر رہی تھی۔ مکان کی جگہ چند ٹوٹے پھوٹے کھمبے پڑے تھے، شکستہ چھتیں آڑھی ترچھی ہو کر زمین سے لگی ہوئی تھیں۔ کچے برتنوں کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ اور اس ویران ماحول میں بلیاں بھوک سے نڈھال ٹوٹے ہوئے کھمبوں سے اپنا منہ رگڑ رہی تھیں۔

عبدالرشید یہ منظر دیکھ کر بہت متاثر ہوا، تکلیف دہ جذبات جنہیں وہ بڑی مشکل سے اپنے سینے میں دبائے ہوئے تھا منہ زور سیلاب کی طرح امنڈ پڑے۔ حکومت اور وزراء کے اعلانات اس کے دل پر گہرے گھاؤ لگا رہے تھے۔ "جنگ سے متاثر ہونے والوں کو ان کے آبائی گاؤں میں بنیادی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ حکومت ان کی امداد پر کروڑوں روپے خرچ کر رہی ہے۔"

سرکاری افسران نے لاکھوں روپے کے جعلی کلیم منظور کر لئے



اس شکستہ مکان کے ملبے میں نجانے کتنی زندگیاں دفن ہو گئیں

عبدالرشید کا کہنا ہے کہ حکومت کی جانب سے مہیا کی جانے والی امداد تو درکنار اس کے آبائی گاؤں میں ایک چلو پانی کا بھی انتظام نہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو پانی پلانے کیلئے اُسے کم و بیش چھ سات میل کا چکر لگانا پڑا تب جا کے کہیں حلق تر کرنے کے لئے تھوڑا سا پانی ملا۔

دسمبر ۱۹۷۱ء کا المیہ پوری قوم اور بالخصوص ان علاقوں کے باشندوں کو برداشت کرنا پڑا جو براہِ راست بھارتی فوج کی جارحیت، بربریت اور دہشت گردی کا نشانہ بنے۔ ان میں پنجاب کے سرحدی علاقوں کے علاوہ سندھ کے ریگستانی علاقے نگر پارکر، تھرپارکر اور دوسرے مقامات شامل ہیں۔ ان علاقوں میں تباہی کا یہ عالم ہے کہ غیر ملکی نمائندے اپنے تاثرات میں یہ بات کھل کر کہنے پر مجبور ہو گئے کہ دوسری جنگِ عظیم کی تباہی بھی ہیچ نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کورٹ والڈ ہیم نے کہا ـــ "میں انسانیت کی اس عظیم تباہی و بربادی سے سخت متاثر ہوا ہوں" انہوں نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ بے گھر افراد کی آبادکاری کیلئے اقوام متحدہ کی جانب سے دی جانے والی امداد میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ نیز انہوں نے بین الاقوامی برادری سے انسانیت کے نام پر اپیل کی کہ وہ پاکستان کے متاثرہ علاقوں میں آبادکاری کے لئے دل کھول کر امداد دیں"

حکومت نے بھی اپنے وسائل کے مطابق بے خانماں افراد کی ازسرِ نو آبادکاری کے لئے تقریباً ۲۳، ۲۲ کروڑ روپیہ کی فوری امداد کا اعلان کیا۔ اور جنگ زدہ علاقوں کے باشندوں کی دیکھ بھال اور انہیں بنیادی امداد مہیا کرنے کے لئے جگہ جگہ کیمپ کھول دیئے گئے۔ لیکن قارئین کو یہ سن کر حیرت اور دکھ ہو گا کہ اس ۲۲ کروڑ روپے میں سے اب تک نو دس کروڑ روپے خُرد برد کر دیئے گئے ہیں۔ اور امدادی سامان کی تقسیم میں بھی بڑے پیمانے پر دھاندلیاں ہو رہی ہیں۔

امدادی سامان کی تقسیم کی ذمہ داری ایسے راشی، بدعنوان اور نااہل افسران کے سپرد کی گئی ہے، جو اس عالم میں بھی لٹے پٹے انسانی قافلوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ امدادی کیمپوں سے رات کی تاریکی میں بیشتر سامان نامعلوم مقامات پر منتقل کر دیا جاتا ہے۔ کیمپوں میں سامان کی تقسیم کے دوران "ضرورت" نہیں "چہرے" دیکھے جاتے ہیں۔ ان خالی جھولیوں کو بھر دیا جاتا ہے جو افسران اور ان کے کارندوں کو نصف مال دینے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اور اُن خالی ہاتھوں کو خالی ہاتھ واپس کر دیا جاتا ہے جو بندر بانٹ کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ متاثرہ افراد کو ایک ماہ کا راشن دینے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اگر اس بات کی تحقیقات کی جائے تو سو میں سے ایسے پانچ یا زیادہ سے زیادہ دس افراد ملیں گے جنہیں پورے ماہ کا راشن دیا گیا۔ نقدی بھی انہیں ملی جو اس کی نصف رقم آبادکاری کے کارندوں کو دینے پر تیار ہو گئے۔

آیئے اپنے دور کی اس بھیانک بدعنوانی کو ذرا تفصیل سے دیکھیں کہ سرکاری افسران، ان کے کارندے سیاسی اور سماجی رہنما کس طرح اپنے عوام کا خون چوس رہے ہیں اور ان کا ماس کھا رہے ہیں۔

شکر گڑھ کے علاقے میں متاثرہ افراد کے کلیموں کی جانچ پڑتال کے لئے جائزہ کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں ـــ جائزہ کمیٹی میں ایک نمبردار، پیپلز پارٹی کے ایک نمائندہ اور گاؤں کے ایک بااثر شخص کو شامل کیا گیا ہے۔ اس طرح ہر علاقہ میں جائزہ کمیٹیوں نے کلیم جمع کرنا شروع کر دیا۔ ان کلیموں کو آخری شکل میں منظور کرنے والے افسران نے بڑی چالاکی سے کام لیتے ہوئے جائزہ کمیٹی کے اراکین سے کہا "جتنے کلیم چاہو داخل کرو۔ کون سا ہمیں اپنی جیب سے دینا ہے" جائزہ کمیٹیوں کے ممبران افسران کے جھانسے میں آ گئے۔ اور جائزہ کلیموں کے ساتھ بوگس کلیم بھی تیار کئے گئے۔ اندھے کی ریوڑی اپنے اپنوں میں دبا کے تقسیم کی گئی۔ کلیم افسران اسی موقع کے انتظار میں تھے۔ جب ان کلیموں کی جانچ پڑتال کا وقت آیا تو کچھ لو اور کچھ دو کا دو طرفہ مطالبہ شروع ہو گیا۔ جائزہ کمیٹیوں نے کلیم جمع کرنے کے دوران خوب من مانی کی تھی، جن لوگوں نے جائزہ کلیم داخل کئے تھے۔ ان میں سے بیشتر کلیموں میں پہلے ہی مرحلے پر کانٹ چھانٹ کر دی گئی۔ بعض کلیموں کو بوگس قرار دے کر مسترد کر دیا گیا۔ اور ان کی جگہ اپنے آدمیوں کے کلیم داخل کئے گئے۔ کلیم افسران جائزہ کمیٹیوں کی اس دھاندلی سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے ابتدا میں جان بوجھ کر اس کی حوصلہ افزائی کی۔ تاکہ بعد میں اس کی بنیاد بنا کر سودے بازی کی جائے۔

جن جائزہ کمیٹیوں نے افسران کے مطالبات ماننے سے انکار کیا انہیں دھمکی دی گئی کہ تمہارے سارے کلیم جعلی قرار دیکر مسترد کر دیئے جائیں گے۔ بعض ایماندار اراکین پر مشتمل جائزہ کمیٹیوں نے افسران کے ناجائز دباؤ اور دھاندلی کے سامنے سر خم کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے صحیح اور جائز کلیم داخل کئے تھے۔ لیکن جن جائزہ کمیٹیوں نے بوگس کلیم داخل کئے تھے انہوں نے کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر افسران سے سمجھوتہ کر لیا۔ یہ جائزہ کمیٹیاں یہ بات برداشت نہیں کر سکتی تھیں کہ ان کے رشتہ داروں کے ناجائز کلیم کاٹ دیئے جائیں۔ اس طرح سمجھوتے کے مطابق بوگس کلیموں کی ادائیگی شروع کر دی گئی جبکہ جائز کلیموں کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔ پتہ چلا ہے کہ پچاس فیصد سے زیادہ جائز کلیموں کی جانچ پڑتال اور ادائیگی کا کام روک دیا گیا ہے۔ ان کلیموں کے متعلق جب بھی کوئی بات دریافت کی جاتی ہے تو جواب ملتا ہے "یہ مشکوک کلیم ہیں، ان کی جانچ پڑتال بعد میں ہو گی"

کلیموں کی جانچ پڑتال کرنے والے سرکاری افسران

اور جائزہ کمیٹیوں کے بدعنوان ممبران کی دھاندلیاں کھل کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ ایک ایک کلیم کی منظوری کے دوران سودے بازی کی گئی۔ معاملہ طے کیا گیا اور بوگس کلیموں کو منظور کرلیا گیا۔ بوگس کلیموں پر اب تک لاکھوں روپے کی ادائیگی کا حکم دیدیا گیا۔ اس طرح یہ افسران چند ماہ کے اندر اندر لاکھوں روپے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس طرح جائزہ کمیٹیوں کے بعض ارکان کوٹھیوں اور کاروں کے مالک بن چکے ہیں۔ جب کہ ایسے لاکھوں افراد جو جنگ دسمبر سے متاثر ہوتے ہیں اور جن کا گھر بار تباہ ہوگیا، وہ ابھی تک کلیموں کے کاغذات کا بوجھ اُٹھائے دردر کی خاک چھان رہے ہیں۔

شکرگڑھ کے علاقے میں جو اندھیر گردی اور لوٹ مار مچی ہے، اس پر کسی کو دھیان دینے کی فرصت نہیں ہے، ایک شخص کے سوا کسی نے بھی بدعنوانیوں کے خاتمے کے لئے بھاگ دوڑ نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ راشی اور بددیانت افسران اور کمیٹیوں کے اراکین شیر بن چکے ہیں اور لگا ہوں کے سامنے امدادی سامان اور کلیموں کی منظوری کے لئے رشوت طلب کرتے ہیں۔ احتجاج کرنے والوں کو دھمکی دیتے ہیں کہ "تمہیں ہر چیز سے محروم کردیا جائے گا"

سرکاری افسران اور جائزہ کمیٹیوں کی بدعنوانی اور دھاندلی کے خلاف ۴ مارچ ۱۹۷۲ء کو موضع بارن میں ایک احتجاجی جلسہ کا پروگرام بنایا گیا۔ اس بات کی خبر جب متعلقہ افراد کو پہنچی تو وہ بہت گھبرائے، خفا ہوئے۔ کیونکہ جلسۂ عام میں ان کی دھجیاں اُڑنے والی تھیں۔ ان کے سیاہ کرتوت کا برملا اظہار ہونے والا تھا۔ سرکاری افسران نے پہلے تو اس بات کی کوشش کی کہ کس طرح جلسہ کا اجازت نامہ نہ مل سکے۔ لیکن جب اس میں انہیں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے بھاگم بھاگ جلسہ کے منتظمین سے مِل کر کہا "تم جو چاہو وہ ہوگا مگر خدارا جلسہ میں ہمارے خلاف کچھ نہ کہنا۔ جتنے کلیم چاہو منظور کرالو"

عبدالرشید اور اس کے ساتھیوں کے سامنے دو راستے تھے، اس دھاندلی اور بدعنوانی میں افسران کے شریک بن جاتے اور بہتی گنگا میں ہاتھ دھو کر دبک جاتے یا پھر وہ ہر قیمت پر افسران کی بدعنوانیوں کا پردہ چاک کرتے۔ حکومت اور عوام کو بتاتے کہ ملک و قوم کے لہو اور وسائل پر پلنے والے یہ قزاق کس طرح انہیں لوٹ رہے ہیں۔ ان کے حقوق پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔

مقررہ تاریخ پر چوہدری سلطان علی کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ اور کم و بیش ۲۰ ہزار افراد نے شرکت کی، اس

باقی صفحہ ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں

شبنم مناروی

فرسودہ ثقافت کی آخری دیوار

نیا سورج نکلتا ہے — پرانے قیدیوں کو چھوڑ دو
بے آب جسموں کو رہا کر دو
وہ مجرم ہے کہ اس نے تن جلا کر ختم راتیں کیں
تمہارا مرتبہ اونچا کہ تم نے رقص گاہوں میں!
کنواری لڑکیوں کے ساتھ جبراً وارداتیں کیں
وہ ادنیٰ ہے کہ اُس نے زخم کھا کر شاہراہوں میں
تمہارا نام لکھوایا زمیں کے بادشاہوں میں
زمانہ رُخ بدلتا ہے — شکوہِ قیصری کو پھوڑ دو!!
اب راحتیں غم پر فدا کر دو
نظامِ نو سے کٹیاؤں میں شمعیں جگمگائیں گی
پرانی رقص گاہیں قسمتیں ویران پائیں گی!
سہانی ساعتیں خوشبو کے دریا میں نہائیں گی
کنواری لڑکیاں شرم و حیا سے سر جھکائیں گی
دوکانوں سے وہ اپنے ماڈلوں کو چھین لائیں گی
کوئی کلیاں مسلتا ہے — تم اُسکے ہاتھ پاؤں توڑ دو
بزمِ طرب — درد آشنا کر دو
نئے آغاز کا انجام کیا ہوگا خدا جانے!
حقیقت سامنے آکر مٹا دیتی ہے افسانے
وطن کی آن کو دینے لگے ہیں لوگ نذرانے
پرانا دور ڈھلتا ہے — سبھی ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دو
اے محتسب — محشر بپا کر دو



بنگلہ دیش میں عوامی لیگ کی بد عنوانیاں

وزیروں نے لاکھوں روپے کے سوت کے بنڈل بلیک میں فروخت کر دیئے



الفتح رپورٹ

شیخ مجیب، "بنگلہ دیش کی آزادی کے ہیرو" ان دنوں سیاسی مخالفین کا منہ بند کرنے کے لئے "تشدد" کا بدترین ہتھکنڈہ استعمال کر رہے ہیں"۔ بنگلہ دیش آبزرور" نے اپنی حالیہ اشاعت میں ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ حکومت کی مخالف طلباء تنظیم چھاترو لیگ کے تحت کومیلا کے علاقہ راج گنج میں ایک جلوس نکالا گیا۔ اچانک ایک جیپ نمودار ہوئی اور اس میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے جلوس پر مشین گنوں سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ تقریباً پچیس طلباء شدید زخمی ہو گئے۔

ڈھاکہ سے نکلنے والے "ہالی ڈے"، میں ایسے ہی ایک خونی دفعہ کی خبر شائع کی گئی ہے۔ چٹاگانگ کے قریب آر، آر جوٹ ملز کے مزدوروں نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے ہڑتال کر دی۔ لال باہنی (مجیب کے حامی مسلح گارڈ) کے مسلح ٹھگوں نے اس علاقہ کو چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ ملز کے دروازے پر رضاکار کھڑے ہو گئے۔ اور اس کے بعد مزدور کالونیوں میں گھس گئے۔ جھونپڑیوں کو آگ لگا دی اور خود کار ہتھیاروں سے مزدوروں پر فائرنگ شروع کر دی گئی۔ ملز کے علاقے سے جان بچا کر فرار ہونے والے مزدوروں کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ اس حادثے میں دو سو مزدور ہلاک اور تین سو مزدور ابھی تک لاپتہ ہیں۔

شیخ مجیب کے حامی عام انتخابات میں دھونس، دھاندلی اور تشدد کے ذریعے کامیابی حاصل کرنے کے بعد اقتدار کے نشے میں اس قدر بدمست ہو چکے ہیں کہ وہ جلد سے جلد اپنے مخالفین کا صفایا کر کے مخالفت میں اٹھنے والی ہر آواز کو بند کر دینا چاہتے ہیں۔ اس معاملے میں وہ اپنے اتحادیوں اور دُم چھلوں کو بھی معاف کرنے پر تیار نظر نہیں آتے نیشنل عوامی پارٹی (مظفر گروپ) جس نے ہمیشہ عوامی لیگ کی بی ٹیم کا کردار ادا کیا۔ اور ہاں میں ہاں ملا کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا وہ بھی ان دنوں شیخ مجیب کے انتقام کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ الیکشن سے قبل، دوران اور اس کے بعد اب تک نیشنل عوامی پارٹی کے بے شمار دفاتر جلائے جا چکے ہیں اور کئی رہنماؤں کو قتل کر دیا گیا۔ میجر جلیل کی نیشنل سوشلسٹ پارٹی اور بھاشانی نیپ اور اسکی ذیلی تنظیمیں براہ راست شیخ مجیب کے انتقام کی زد میں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں بڑی سیاسی جماعتیں بنگلہ دیش میں بھارت، روس اور امریکہ کی سیاسی کشمکش اور بالادستی کی زبردست مخالفت کر رہی ہیں عوامی لیگ ان دونوں سیاسی جماعتوں سے بُری طرح خائف ہے۔ چنانچہ اب تک ان کے متعدد رہنماؤں کو کھلے عام گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

عوامی لیگ کے سیاہ کارنامے

عوامی لیگ دسمبر ۱۹۷۱ء میں برسرِ اقتدار آئی شیخ مجیب رہائی کے بعد قومی ہیرو بن کر بنگلہ دیش پہنچے۔ وہ خود کو سوشلسٹ کہتے ہیں اور ان کی پارٹی کے منشور میں بھی سوشلسٹ اقتصادی نظام رائج کرنے کا وعدہ موجود ہے۔ بنگلہ دیش کے مظلوم اور فاقہ زدہ عوام کا خیال تھا کہ شیخ مجیب انہیں سیاسی اور اقتصادی خوش حالی سے ہمکنار کریں گے۔ بنگلہ دیش کی خدمت بے لوثی اور بے غرضی سے کریں گے۔ ان کے جسم پر لگائے گئے زخم مندمل ہو جائیں گے۔ اور وہ بتدریج خوشحالی اور فارغ البالی کی منزل کی جانب بڑھتے جائیں گے۔ لیکن ان کے یہ سارے خواب ادھورے رہ گئے۔ شیخ مجیب پوری قوم کے باپ بن گئے، مگر قوم کو باپ کی شفقت سے محروم رکھا۔ انہوں نے عنانِ اقتدار سنبھالتے ہی عوام کی اکثریت کے دکھ درد کا علاج کرنے کی بجائے۔ صرف اپنی پارٹی اور اپنے طبقے کے مفادات کو پیشِ نظر رکھا۔

۱۹۷۲ء میں انہوں نے سب سے پہلے عوام کو غیر مسلح کرنا شروع کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کی پارٹی آئندہ جس حکمتِ عملی پر عمل کرے گی اس کے نتیجے میں عوام کے اندر مایوسی اور بے چینی اپنے عروج پر پہنچ جائے گی۔ اور یہ مسلح عوام کسی وقت بھی ان کے لئے خطرات کا باعث بن جائیں گے۔ دوسرے مرحلے میں انہوں نے فوری طور پر حکومت کے حامی عناصر کو مسلح کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ خود کار ہتھیاروں سے مسلح ان عناصر کو عوامی لیگ کی بدعنوان حکومت کو ہر مشکل گھڑی میں بچانے کے لئے فرائض ادا کرنے تھے، تیسرا قدم اٹھاتے ہوئے انہوں نے ٹریڈ یونین تحریک کو سرکاری کنٹرول میں دے دیا۔ یہ سارے اقدامات عوامی لیگ کے مخالفین کو کچلنے کے لئے کئے گئے۔ یہی نہیں انہوں نے اقتدار پر براجمان ہوتے ہی علیحدگی کی تحریک میں حصہ لینے والے بائیں بازو کے مؤثر عنصر کو یک و تنہا کرنے کی امکان بھر کوشش کی۔ جن لوگوں نے ہتھیار واپس کرنے سے انکار کیا انہیں ڈاکو، چور اور قاتل کا نام دے کر گرفتار کیا گیا۔ شیخ مجیب جو بنگلہ دیشی عوام میں "نجات دہندہ" کے روپ میں ابھرے تھے، اپنے قومی تشخص کھو بیٹھے اور محض ایک پارٹی کے رہنما بن کر رہ گئے۔ ان کے کندھوں پر بنگلہ دیش کی اقتصادی تعمیر نو کی جو بھاری ذمہ داری عائد تھی وہ ان کی طبقاتی کمزوری، بھارت اور روس کی سیاسی محکومی کے سبب پوری نہ ہو سکی۔ اس طرح شیخ مجیب بنگلہ دیش کی تباہ حال اور شکستہ کشتی کے ایسے کھیون ہار بن گئے جو سمندر کی پیچ و تاب کھاتی ہوئی لہروں سے کشتی کو بچا کر ساحل تک لانے میں بری طرح ناکام ہو گئے۔

عوامی لیگ کے وزراء کیا کر رہے ہیں

فرانسیسی اخبار لی مونڈے کے نمائندے نے عوامی لیگ کے ایک وزیر سے سوال کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ اقتصادی منصوبہ بندی میں محنت کشوں کی اکثریت کی ضروریات کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ جس کی وجہ سے مزدوروں اور کسانوں میں روز بروز اقتصادی بے چینی اور بے اطمینانی پھیلی جا رہی ہے۔ وزیر نے جواب دیا "ہم نے ابھی تک ان کے مسائل کو ٹھیک طور پر مطالعہ نہیں کیا۔"

بنگلہ دیشی حکومت نے ۷۳-۱۹۷۲ء کے دوران دیہی ترقیات کا ایک منصوبہ تیار کیا ہے۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس میں کسانوں کو سودی قرضوں کے بوجھ سے نجات دلانے اور ان کے مسائل کا ٹھوس تجزیہ کرنے کی بجائے منصوبے کو صرف تکنیکی سامان اور جراثیم کش ادویات کی تقسیم تک محدود رکھا گیا۔ اس کی شائد ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان دنوں دیہی علاقوں میں سود کا سارا کاروبار عوامی لیگیوں کے ہاتھ میں ہے۔ دوئم فنی امداد، دیہی علاقوں سے خام مال حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہے، جسے عوامی لیگ کے وزراء بلیک مارکیٹ میں فروخت کر کے لاکھوں روپے کما رہے ہیں۔

عوامی لیگ کے وزیر کھلم کھلا بلیک مارکٹنگ کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ ایسے وزیروں کی فہرست بڑھتی جا رہی ہے، جن کے پاس کل تک رہنے کے لئے اپنا ذاتی مکان نہیں تھا۔ لیکن اب ان کی کار، کوٹھی، وطن دولت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی تناسب سے عوام کی محرومیاں بھی بڑھ رہی ہیں۔ قومی پیداوار عوام کی ضرورت کے مقابلہ میں ناکافی ہے۔ چنانچہ امریکہ اس کمی کو پورا کر کے بنگلہ دیش میں اپنی سیاسی پوزیشن مستحکم کرنے میں مصروف ہے۔ بنگلہ دیش کے کئی علاقوں میں قحط کی صورتحال موجود ہے، جو اسمگلنگ اور بلیک مارکٹنگ کی پیداوار ہے۔ بیرونی امداد، فنی سامان اور اناج کی بڑی مقدار بھارت منتقل کر دی جاتی ہے۔ لی مونڈے

آر-آر جوٹ ملز کے دو سو مزدوروں کو ہلاک کر دیا گیا



کے نمائندے نایان چندا نے انکشاف کیا ہے کہ بنگلہ دیش اسمبلی کے ممبران باقاعدہ اسمگلنگ اور بلیک مارکٹنگ کے کاروبار میں ملوث ہیں۔ اگر براہِ راست ملوث نہیں ہیں تو کم از کم اس قسم کے واقعات کا علم بخوبی رکھتے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اس کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ یہ کاروبار اس نقطۂ عروج تک پہنچ چکا ہے کہ ماسکو نواز کمیونسٹ پارٹی کو جس نے ہمیشہ مجیب حکومت کی حمایت کی۔ مجبوراً کہنا پڑا کہ اسمبلی کے ممبران بدعنوانی کے ہم معنی بن چکے ہیں۔

بدعنوانی اور اسکنڈل صرف دیہی علاقوں تک محدود نہیں ہیں۔ اس کا جال شہروں کے گلی کوچوں تک پھیلا ہوا ہے۔ مارچ ۱۹۷۲ء میں حکومت نے چند صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا۔ لیکن غیر ملکی کمپنیوں اور چائے کے باغات کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ ان صنعتوں کو ٹریڈنگ کارپوریشن بنگلہ دیش کی تحویل میں رکھا گیا ہے۔ اس طرح بدعنوانی میں ٹی سی بی اور قومی اسمبلی کے ممبران کے درمیان زبردست دوڑ شروع ہو گئی ہے۔ چھوٹی صنعتوں میں بدعنوانی اور دھاندلی مختلف شکلوں میں پھیل پھول رہی ہیں۔ ۷۲ء میں مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں کی تمام صنعتوں کو سرکاری کنٹرول میں لے کر سرکاری افسران اور عوامی لیگ کے ممبروں کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ یہ بدعنوان عناصر اس کے ذریعے دولت کے ڈھیر جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ مثال کے طور پر اسمال انڈسٹریز کارپوریشن کو کھڈی کے کاریگروں میں سوت تقسیم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی لیکن سوت کاریگروں کو دینے کی بجائے بلیک کر دیا گیا۔ اس طرح یہی سوت کاریگروں کے پاس پہنچا تو انہیں اصل قیمت سے پچاس گنا زائد قیمت ادا کرنی پڑی۔

یہی کچھ حال ہے امپورٹ ایکسپورٹ کے لائسنسوں کا بھی ہے۔ عوامی لیگ کے رہنما ان لائسنسوں کو بھاری رقم کے عوض فروخت کر دیتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ لائسنس خریدنے والا اسے استعمال نہیں کرتا بلکہ وہ بھی موٹی رقم لیکر اسے دوسرے کے ہاتھوں فروخت کر دیتا ہے۔ بعض ایسے بھی واقعات ہوتے ہیں کہ ایک لائسنس کو بار بار فروخت کیا گیا مگر اس سے وہ کام نہیں لیا گیا جس کے لئے وہ جاری کیا گیا تھا۔

کسانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

دسمبر ۷۱ء کی جنگ کے دوران مشرقی پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ آمدورفت کے بیشتر ذرائع تباہ ہو گئے تھے۔ سڑکیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ پل تباہ ہو گئے تھے، اور کھیتوں کی فصلیں جل گئی تھیں۔ بنگلہ دیش زرعی ملک ہے، اس کی بیشتر آبادی کھیتی باڑی اور محنت مزدوری پر انحصار کرتی ہے۔ ان کی اقتصادی حالت پہلے ہی خراب تھی، اوپر سے جنگ نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ ہر طرف تباہی ہی تباہی پھیل گئی۔ حالات کچھ پُر سکون ہوئے اور عوامی لیگ مسندِ اقتدار پر براجمان ہوئی تو کسانوں نے اپنے گھروں کا رخ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ شیخ مجیب ان کے حالات درست کرنے میں خصوصی دلچسپی لیں گے۔ لگان کی وصولی میں نرمی اختیار کی جائے گی۔ زمینداروں اور چوہدریوں کے ظلم و تشدد سے نجات دلائی جائے گی، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا۔ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے عوامی لیگ کے رہنما نے اپنے طبقاتی کردار، اخلاق اور سوچ کا مظاہرہ کرتے ہوئے مظلوم طبقات، بالخصوص کسانوں کے سنہرے خواب کا شیرازہ منتشر کر دیا۔

لی مونڈے کے نمائندے نایان چندا نے اپنے مضمون میں انکشاف کیا کہ مجیب حکومت کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ وہ دیہی علاقوں میں رہنے والے عوام کے سماجی رشتوں



پروفیسر مظفر

اور تعلقات کو از سرِ نو استوار کرتی، جو ہولناک جنگ کے دوران تباہ ہوئے تھے۔ یقیناً یہ عوامی لیگ کا سب سے بڑا کارنامہ ہوتا۔ لیکن عوامی لیگ نے اپنی سب سے عظیم ذمہ داری پوری نہیں کی۔ دیہی عوام کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا، جس کی وجہ سے اُن میں شدید قسم کی مایوسی اور بیزاری پھیلی ہوئی ہے۔ زرعی شعبے میں صرف ایک کام کیا گیا۔ جن کے پاس ۲۵ بیگھہ سے کم زمین ہے، انہیں لگان سے مستثنیٰ قرار دیدیا گیا۔ اسی طرح [illegible] خاندان کیلئے .. ۱ بیگھہ سے زیادہ



زمین رکھنے پر پابندی لگا دی گئی۔ لیکن ان معمولی قسم کی اصلاحات سے زرعی شعبے کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ زمینداری اپنی جگہ پر موجود ہے اور کسانوں سے باقاعدہ ان کی استطاعت سے کہیں زیادہ مالگزاری وصول کی جاتی ہے۔ ضلع میمن سنگھ کے ایک کسان نے لی مونڈے کے نمائندے سے بات چیت کرتے ہوئے کہا۔ ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ ہمیں آج بھی جلتے ہوئے سورج کے نیچے، کیچڑ اور مون سون کی تباہ کن بارشوں میں زمیندار کے گودام کو اناج سے بھرنے کے لئے کام کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں آج بھی قرض پر سو فیصد سود ادا کرنا ہوتا ہے۔ ہماری پیٹھ ننگی اور پیٹ خالی ہیں۔

سقوطِ ڈھاکہ سے قبل ایک مرتبہ شیخ مجیب الرحمان نے مغربی پاکستان کے اپنے ہی طرح ایک رہنما کے نظریات پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میں مخلص سوشلسٹ نہیں اصل سوشلسٹ ہوں۔ اقتدار میں آؤں گا تو سوشلسٹ اقتصادی نظام رائج کروں گا" لیکن دونوں علاقوں کے عوام اس بات کی گواہی دیں کہ دونوں طرف سوشلزم کا نعرہ دیا گیا لیکن نہ اُدھر سوشلسٹ نظام آیا نہ ادھر۔ مغربی پاکستان اور بنگلہ دیش کے عوام کے حالاتِ زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ کوئی انقلاب برپا نہ ہوا۔ پہلے جیسے سے حالات جوں کے توں قائم ہیں۔ سوشلزم کا نعرہ لگا کر عملی طور پر دونوں جگہوں میں سوشلزم کے برعکس کام کیا گیا۔

بنگلہ دیش کے کسان اور سندھ کے کسان ایک جیسے حالات کا سامنا کر رہے ہیں۔ سرحد، بلوچستان اور پنجاب کے کسان، ہاری اور کاشت کار آج بھی جلتے سورج کے نیچے کیچڑ، اور موسلا دھار بارشوں میں جاگیرداروں، خوانین، سرداروں اور چوہدریوں کے گوداموں کو اناج سے بھرنے کے لئے کام کرتے ہیں۔

اگر مزدور ملک دشمن ہے تو پھر محبِ وطن کون ہے؟



رفعت باوا

رفعت باوا کو بھارت سے پاکستان میں داخل ہوتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا

راولپنڈی ۲۲ مارچ (صفدر عباس) باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سیالکوٹ پولیس نے مزدور لیڈر رفعت حسین باوا کو بھارت سے پاکستان کی سرحد کراس کرتے ہوئے گرفتار کر لیا ہے۔ ان ذرائع کے مطابق رفعت حسین باوا چند دن قبل بھارت سے بغیر [illegible] پاکستان داخل ہو رہا تھا۔ ان ذرائع کے مطابق رفعت باوا جو کہ ۲۱ فروری سے راولپنڈی سے غائب تھا کسی ذریعے سے بھارت چلا گیا اور وہاں سے واپسی پر بارڈر کراس کرتے ہوئے گرفتار ہو گیا۔ پولیس کے علم ذرائع نے بتایا ہے کہ باوا رفعت حسین کو جب سیالکوٹ پولیس نے گرفتار کیا اور اس سے نام وغیرہ پوچھا تو اس نے غلط بیانی سے کام لیا اور غلط معلومات فراہم کیں لیکن تفتیش کے دوران باوا رفعت حسین نے بتایا کہ وہ بھی [illegible] کا رہنے والا ہے اور پاکستان میں مقیم ہے۔ ان ذرائع کے مطابق رفعت حسین باوا کو خطرناک شخص ہونے کے باعث تفتیش کے لئے سپیشل برانچ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

اسلام پسند اخبار "نوائے وقت" کی مزدور دشمنی کا منہ بولتا ثبوت

مزدور رہنما رفعت باوا پر بھی ملک دشمنی کا الزام لگا دیا گیا

طاہر خلیل

پاکستان میں مزدوروں، کسانوں، اور دوسرے مظلوم طبقوں پر نوکر شاہی اور عوام دشمن طبقات کی طرف سے ظلم و تشدد کا جو نیا دور شروع ہوا تھا، اب اس نے پنجاب کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اگرچہ پنجاب میں ابھی وسیع پیمانے پر محنت کشوں کی طرف سے کسی جدوجہد کا آغاز نہیں کیا گیا لیکن پھر بھی فیکٹریوں اور کارخانوں میں نوکر شاہی کے کارپردازوں اور سرمایہ داروں کے خلاف ان کی مزاحمت بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کی مہک اب راولپنڈی میں بھی آ پہنچی ہے۔ راولپنڈی میں اس کی ابتدا آئینی ٹیشن شاف یونین کے مرکزی جوائنٹ سیکرٹری مسٹر نذیر مسیح کی گرفتاری سے ہوئی جنہیں ایک نفرت انگیز تقریر کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ نذیر مسیح دارالحکومت کے مزدوروں کی سب سے فعال تنظیم پیپلز لیبر فرنٹ کے اہم عہدے دار ہیں۔ مزدوروں کا کہنا ہے کہ نذیر مسیح پر جس قابلِ اعتراض تقریر کا الزام عائد کیا گیا اس تاریخ کو وہ راولپنڈی کی بجائے لاہور میں تھے۔ وہ السر کے دائمی مریض ہیں۔ اس طرح وہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ جلسوں میں تقریریں کر سکیں۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ جس جلسے میں یہ "قابلِ اعتراض" تقریر ان کے سر منڈھی گئی ہے، وہ جلسہ سرے سے ہو ہی نہیں سکا تھا۔ نذیر مسیح آج کل ضمانت پر رہا ہیں۔ یہی نہیں نوکر شاہی مخالف سیاسی رہنماؤں کو اخلاق سے عاری جن مقدمات میں ملوث کر رہی ہے وہ بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔ رحیم یار خان میں مزدور کسان پارٹی کے صدر میجر محمد اسحاق پر بکری چوری کرنے کے الزام میں مقدمہ درج ہے۔ چوہدری ظہور الٰہی سے ہزار اختلافات کے باوجود یہ بات ناقابلِ یقین ہے کہ ان ایسا جاگیردار دو بھینسیں

۳ اپریل کو رفعت باوا عدالت میں پیش کئے جائیں گے

رفعت حسین باوا ۲۱ فروری سے غائب تھے۔ اس سلسلے میں اس شبہے کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ وہ پولیس کی تحویل میں ہیں، جہاں ان پر بے پناہ تشدد کیا جا رہا ہے۔ بالآخر اس کی تصدیق ہو گئی ہے۔ پتہ چلا ہے کہ رفعت باوا ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ میں ہیں، اور انہیں ۳ اپریل کو لاہور ہائی کورٹ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان پر ڈی پی آر کے تحت مقدمہ بنایا گیا ہے۔ ڈی پی آر کا اطلاق جس دھاندلی کے ساتھ کیا جا رہا ہے، وہ بجائے خود رفعت باوا کی بے گناہی اور مظلومی کا ثبوت ہے۔

بیس مزدوروں کو کسی جواز کے بغیر گرفتار کر لیا گیا

چوری کرے، ابھی یہ باتیں ہر خاص و عام کی زبان ہی پر تھیں کہ خبر آئی، پیپلز لیبر فرنٹ کے چیف آرگنائزر مسٹر رفعت حسین ۲۱ فروری سے لاپتہ ہیں، اس خبر نے راولپنڈی کے مزدوروں پر بجلی گرادی۔ کیونکہ رفعت حسین جنہیں احترام سے مزدور اور ان کے ساتھی باوا کے نام سے پکارتے ہیں، ایک ان تھک سیاسی کارکن اور مزدوروں کے قابلِ احترام رہنما ہیں۔ انہوں نے تین سال کے قلیل عرصہ میں راولپنڈی کے مزدوروں کو ایک پرچم تلے منظم کر دیا تھا۔ انہیں جدوجہد کرنے کی نئی راہیں دکھائی تھیں۔ انہیں ناقابلِ تسخیر سیاسی شعور بخشا تھا۔ رفعت باوا راولپنڈی کے مزدوروں کو منظم کرنے کے بعد کراچی، لاہور، پشاور اور دوسرے بڑے شہروں کے مزدوروں سے رابطہ کر کے انہیں ملک گیر سطح پر منظم کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ ان کے مخالفین بھی ان کی ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر رشک کر رہے ہیں۔ اس مختصر سی مدت میں پیپلز لیبر فرنٹ راولپنڈی۔ اسلام آباد کے علاوہ بڑے بڑے شہروں میں بھی منظم ہو رہی ہے، سیالکوٹ، ایبٹ آباد اور پشاور میں اس کے مضبوط یونٹ کام کر رہے ہیں۔ راولپنڈی کے محنت کش باوا رفعت سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔ باوا نے اکنامکس میں ایم اے کیا ہوا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو عملی طور پر محنت کش طبقہ سے مربوط کیا ہے۔ باوا رفعت ہی کی کوششوں اور کاوشوں سے راولپنڈی کے مزدوروں، چھوٹے دکانداروں، طالب علموں، کسانوں، اساتذہ اور وکلاء پر مشتمل "عوام مزدور رابطہ تحریک" تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ اس تحریک نے اب تک مزدوروں کی بستیوں اور دیگر شہری علاقوں میں چھوٹی چھوٹی میٹنگوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ راولپنڈی کی انتظامیہ اس عظیم رہنما کی پراسرار گمشدگی پر منہ میں گھنگھنیاں ڈالے خاموش ہے۔

تین مارچ کو پیپلز لیبر فرنٹ نے باوا رفعت کے اغوا کیخلاف راولپنڈی میں ایک زبردست جلوس کا اہتمام کیا تھا، اس جلوس میں پی ایل ایف کی مخالف کئی دوسری مزدور تنظیموں نے اپنے اختلافات کے باوجود شرکت کی۔ یہ جلوس بلاشبہ دارالحکومت میں مزدوروں کے اب تک نکلنے والے تمام جلوسوں میں سب سے بڑا تھا جس کی قیادت سابق مرکزی وزیر مملکت مسٹر معراج محمد خاں نے کی۔ اس احتجاجی جلوس میں پولیس کا رویہ انتہائی اشتعال انگیز رہا۔ لیکن پی ایل ایف کے منتظمین نے کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہونے دیا۔ لیکن پھر بھی نوکرشاہی نے بیس مزدوروں کو کسی جواز کے بغیر گرفتار کر لیا جن میں چھ مزدور راحت وولن ملز کے، تین مزدور اے، ڈبلیو لیبارٹریز کے، ایک مزدور ماڈرن موٹرز کا، ایک مزدور اے، ڈی، اے کا اور دس ٹیکسی ڈرائیور تھے۔ راولپنڈی۔ اسلام آباد ٹیکسی ڈرائیورز یونین جو پیپلز لیبر فرنٹ سے ملحق ہے، کے نائب صدر نواب خاں کو ٹیکسی کا ایک والو چوری کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ خیال رہے کہ یہ والو صرف پچیس پیسے میں آتا ہے۔ راولپنڈی کے محنت کش جب بھی مقامی انتظامیہ سے باوا رفعت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو انہیں یہی کہا جاتا ہے کہ اس پر سنگین الزام ہیں۔ ان الزامات کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا علم کسی کو نہیں۔ باوا رفعت پر سنگین الزامات کی فہرست کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کی ٹریڈ یونین سرگرمیاں بدعنوان نوکرشاہی کے لئے ناقابلِ برداشت بن چکی تھیں۔ باوا رفعت کی بازیابی کے لئے عدالتِ عالیہ سے بھی رجوع کیا جا رہا ہے۔

باوا رفعت کو "خطرناک" شخص قرار دے کر حکومت محنت کشوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی، کیونکہ صرف مزدوروں کی طرف سے ہی نہیں بلکہ شہریوں اور ملک کے مختلف حصوں میں بھی اس مزدور رہنما کی پراسرار گمشدگی پر آواز اٹھ رہی ہے۔ یہ آواز جس تیزی سے بلند ہو رہی ہے، وہ یقیناً آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ قومی اسمبلی کے تین ارکان۔ مسٹر محمود علی قصوری، مسٹر احمد رضا قصوری اور مسٹر عبدالحمید جتوئی نے بھی باوا رفعت کی پراسرار گمشدگی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جلد بازیابی کا مطالبہ کیا ہے، ۷ مارچ کو پشاور میں باوا رفعت کی بازیابی کے لئے مزدوروں کا بڑا احتجاجی جلوس نکالا گیا تھا۔ اب پیپلز لیبر فرنٹ کے مرکزی صدر نے باوا رفعت کی بازیابی کے سلسلے میں غیر معینہ عرصے کے لئے ہڑتال کا اعلان کیا ہے۔ اگر یہ ہڑتال شروع ہو گئی تو اس سے یقیناً ملک کی صنعتی پیداوار جام ہو کر رہ جائے گی۔ کیونکہ کراچی میں سندھ متحدہ مزدور فیڈریشن کے صدر جناب عثمان بلوچ بھی اس ہڑتال میں شامل ہونے کا اعلان کر چکے ہیں۔ لاہور اور پشاور کے مزدوروں کی تنظیموں نے بھی باوا رفعت کی بازیابی کی جدوجہد میں پی ایل ایف کے ہر اقدام کی حمایت کی ہے۔ باوا رفعت مزدوروں کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں باوا کی گمشدگی کے بعد مزدوروں کے بگڑے ہوئے تیور حکام کو سوچ و فکر کی دعوت دے رہے ہیں۔ اگر حکومت نے اس ضمن میں فوری طور پر مثبت اقدام نہ کیا تو یہ آتش نشاں کسی وقت بھی پھٹ جائے گا باوا رفعت کی پراسرار گرفتاری کو ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ راولپنڈی کے مزدوروں نے ایک بار پھر جس شدت اپنے محبوب قائد کی بازیابی اور رہائی کا مطالبہ کیا ہے، وہ حکام کے لئے لمحۂ فکریہ ہونا چاہیئے۔ ۲۱ر مارچ کو پیپلز لیبر فرنٹ نے ملحقہ تمام ٹریڈ یونینیوں اور دوسری ہمدرد مزدور انجمنوں کے تعاون سے دارالحکومت میں ایک بڑا جلوس نکالا اس جلوس میں سابق وزیر قانون میاں محمود علی قصوری قومی اسمبلی کے اراکین مسٹر احمد رضا قصوری اور عبدالخالق خان نے بھی شرکت کی۔ یہ جلوس گیارہ بجے لیاقت باغ سے روانہ ہوا۔ اور لیاقت روڈ، سوئیکارنو چوک، شہید چوک سے ہوتا ہوا لیاقت چوک میں ایک عام جلسہ کی صورت میں ختم ہوا۔ جلوس کے شرکاء نے راستہ بھر مزدوروں، کسانوں، اور طالب علموں کی گرفتاریوں، بڑھتی ہوئی مہنگائی کے خلاف نعرے لگائے اور باوا رفعت کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ اس جلوس میں مزدوروں کا رویہ گزشتہ نکالے جانے والے تمام جلوسوں سے بالکل مختلف تھا کیونکہ انہیں کامل یقین ہو گیا تھا کہ ان کے رہنما باوا رفعت کو حکام پیپلز لیبر فرنٹ اور مزدوروں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ پی ایل ایف کے اس جلوس کی قیادت فرنٹ ہی کے مرکزی صدر مولوی محمد علی کر رہے تھے۔ جلوس میں این ایس ایف کے مرکزی سیکرٹری جنرل مسٹر لطیف چوہدری اور ملتان کے ممتاز مزدور رہنما جناب محمد نواز بابر بھی شامل تھے۔ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے سابق وزیر قانون میاں محمود علی قصوری نے کہا کہ آج جو لوگ اقتدار میں ہیں، انہیں احساس ہونا چاہیئے کہ ایوانِ اقتدار مزدوروں ہی کی کوششوں کے مرہونِ منت ہیں اور ان کی کامیابی صرف اور صرف مزدور طبقہ ہی کی وجہ سے ممکن ہو سکی۔

جناب قصوری نے کہا کہ ہم نے قومی اسمبلی میں مزدوروں کے سودا بازی کے حق کو مضبوط کرنے کے لئے آئین میں ترمیم پیش کی لیکن مزدوروں اور کسانوں کی داعی اس حکومت نے اس ترمیم کو مسترد کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ باوا رفعت کسی ایک شخص کا نام نہیں ہے بلکہ ایک تحریک ہے۔ اور اگر تم نے اس تحریک سے ٹکرانے کی کوشش کی تو پھر کہیں بھی امان نہ مل سکے گی۔ انہوں نے کہا کہ باوا رفعت اگر مجرم ہے تو اس پر عدالتی کارروائی کی جائے۔ صاحبزادہ احمد رضا قصوری کی تقریر نہایت مؤثر اور پرجوش تھی۔ انہوں نے کہا کہ سرمایہ دار اور جاگیردار ایک بار پھر مسلط ہو گئے ہیں۔ پاکستان کے کنویں سے سرمایہ داری اور جاگیرداری کا کتا جب تک نکال باہر نہیں پھینکا جاتا اس وقت تک غربت، افلاس کی بدبو ختم نہیں ہو گی۔ عوامی حکومت، عوامی پولیس، عوامی صدر، عوامی دربار

محنت کشوں کو اندر کے دشمنوں سے محتاط رہنا چاہئے

اور عوامی محل۔ انہوں نے کہا کہ سولہ کروڑ روپے کی لاگت سے محل تعمیر کروانے والے کبھی عوامی نہیں ہو سکتے۔ انکےطرف عوام بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ تن ڈھانپنے کیلئے کپڑا تک میسر نہیں ہے۔ رفعت کی رہائی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر مزدور منظم اور متحد رہے، تو باوا رفعت ضرور دوبارہ مزدوروں میں آن ملے گا۔ قومی اسمبلی کے رکن عبدالخالق نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ کہا جاتا ہے کہ ملک میں انقلاب آگیا ہے۔ اب کوئی انقلاب آئندہ دس پندرہ برس تک نہیں آئے گا۔ انہوں نے کہا کہ انقلاب ابھی آیا نہیں آیا اور انقلاب کو روکنے والے کس خوش فہمی کا شکار ہیں۔ انقلاب کسی کی مرضی اور منشا کے مطابق نہیں رکے گا۔ انہوں نے مزدوروں کو تلقین کی کہ وہ باوا رفعت کی بازیابی کے لئے وسیع پیمانے پر جدوجہد کریں۔

پیپلز لیبر فرنٹ کا یہ جلوس انتہائی منظم اور متحد تھا۔

جلوس گیارہ بجے شروع ہو کر تین بجے سہ پہر جلسہ کی صورت میں ختم ہوا تھا۔ اسی جلسہ سے پیپلز لیبر فرنٹ کے سیکرٹری جنرل ملک محمد سلیم، سیمنٹ ٹیشن ورکرز فیڈریشن کے جوائنٹ سیکرٹری نذیر مسیح، پی۔ ایل۔ ایف کے نائب صدر راجہ کرم خان، عوام مزدور رابطہ تحریک کے رکن ظہیر رضوی، پیپلز لیبر فرنٹ کے رہنماؤں حسن بخاری اور لقمان مرزا نے بھی خطاب کیا۔ جلسہ کے اختتام پر کئی قراردادیں منظور کی گئیں، جن میں باوا رفعت کی بازیابی کا مطالبہ، چارسدہ پیپر ملز کے ڈائریکٹر نوابزادہ عبدالغفور خان ہوتی کی مزدور دشمن کارروائیوں کی مذمت اور ملز کے ہڑتالی مزدوروں کی حمایت، مزدور رہنماؤں محمود نواز بابر، نذیر مسیح، عبدالرشید اور دوسرے محنت کشوں پر بے بنیاد مقدمات کی واپسی اور گرفتار شدہ تمام مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کی رہائی کے مطالبات تھے۔ ایک اور قرارداد کے ذریعے سندھ کے مزدور رہنماؤں عثمان بلوچ، اعزاز نذیر، عبدالمجید، یاور خان، الیاس خان اور غلام حسین کو رہا کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ ان قراردادوں میں ہوش ربا گرانی کے خاتمے کے لئے موثر اقدامات کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا۔

جلوس کے دوران مزدوروں نے بے شمار کتبے اور سرخ رنگ کے بینر اٹھا رکھے تھے، جن پر نعرے لکھے ہوئے تھے۔ ان نعروں میں رفعت باوا کو رہا کرو، جاگیرداری نوکر شاہی مردہ باد، مہنگائی ختم کرو، کل بھی آٹا مہنگا تھا، آج بھی آٹا مہنگا ہے۔ کل بھی گولی چلتی تھی۔ آج بھی گولی چلتی ہے، کل بھی جنتا بھوکی تھی۔ آج بھی جنتا بھوکی ہے، گلے سڑے نظام کو ایک دھکا اور دو، ایشیا سرخ ہے، ماریں گے، مر جائیں گے، رفعت باوا کو لائیں گے، شامل ہیں۔ دریں اثنا پاکستان پیپلز پارٹی راولپنڈی کے بے شمار عہدیداروں اور کارکنوں نے اخبارات کے نام ایک مشترکہ بیان جاری کیا ہے۔ جس میں صدر بھٹو سے اپیل کی ہے کہ مزدور لیڈر باوا رفعت کی پُراسرار گمشدگی کی تحقیقات کرائیں۔ اس مشترکہ بیان میں کہا گیا ہے کہ عوامی حکومت کے دشمن جگہ جگہ چھپے بیٹھے ہیں حتیٰ کہ حکومت کی اپنی مشینری اور افسر شاہی میں بھی مزدور دشمنوں کی کمی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ باوا رفعت کی گمشدگی کا "کارنامہ" انہوں نے ہی انجام دیا ہو تاکہ مزدور حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور عوام دشمن اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائیں۔ پرانے نظام کے رکھوالوں اور کاسہ لیسوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اب مزدوروں اور محنت کشوں کو بھی اپنے اندر دشمنوں سے محتاط رہنا چاہیئے۔ اور اس بات کا یقین کر لینا چاہیئے کہ پیپلز پارٹی کے غریب اور مخلص کارکن مزدوروں کے ساتھ ہیں۔ باوا رفعت کی گمشدگی سنسنی خیزی کے ایک عجیب مرحلے میں پہنچ چکی ہے۔ ۲۲ مارچ کو نوائے وقت راولپنڈی نے اپنے صفحہ اوّل پر تنہ سرخیوں کے ساتھ اپنے سٹاف رپورٹر کے حوالے سے باوا رفعت کی ایک خبر شائع کی ہے۔ اس خبر میں کہا گیا ہے کہ،

"باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سیالکوٹ پولیس مزدور لیڈر رفعت حسین باوا کو بھارت سے پاکستان کی سرحد عبور کرتے ہوئے گرفتار کر لیا ہے۔ ان ذرائع کے مطابق رفعت حسین باوا چند دن قبل بھارت سے ناجائز طور پر داخل ہو رہا تھا۔ ان ذرائع کے مطابق رفعت باوا جو کہ ۱۲ فروری سے راولپنڈی سے غائب تھا، کسی ذریعے سے بھارت چلا گیا اور وہاں سے واپسی پر سرحد عبور کرتے ہوئے گرفتار ہو گیا۔ پولیس کے معتبر ذرائع نے بتایا ہے کہ باوا رفعت حسین کو جب سیالکوٹ پولیس نے گرفتار کیا اور اس سے نام و پتہ پوچھا تو اس نے ٹال مٹول سے کام لیا اور غلط معلومات فراہم کیں۔ لیکن تفتیش کے دوران باوا رفعت حسین نے بتایا کہ وہ بمبئی کا رہنے والا ہے، اور پاکستان میں مقیم ہے۔ ان ذرائع کے مطابق رفعت باوا کو "خطرناک شخص" ہونے کے باعث تفتیش کے لئے سپیشل برانچ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ بتایا گیا ہے کہ رفعت حسین باوا جو کہ کمیونسٹ تحریک کا اہم رکن ہے۔ اس سے قبل بھی دو تین مرتبہ انڈیا جا چکا ہے۔ پولیس ذرائع کے مطابق وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔

معلوم ہوا ہے کہ رفعت حسین کی سرگرمیوں سے متعلق تمام ریکارڈ اور تفصیلات اکٹھی کی جا رہی ہیں۔ رفعت حسین کو کوٹ نبیرو پولیس نے سرحد کراس کرتے ہوئے پکڑا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ رفعت حسین شکر گڑھ وغیرہ جیسے جنگ سے متاثرہ علاقوں سے ہوتا ہوا انڈیا گیا تھا۔"

نوائے وقت کی مذکورہ خبر اس بات کی صداقت ہے۔ کہ باوا رفعت زیر حراست ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حکام کی مسلسل خاموشی ایک نئے ڈرامہ کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ ۲۳ مارچ کو اس ڈرامہ کی تفصیلات معلوم ہو گئی ہیں۔ رفعت باوا پر ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ نوائے وقت کی مذکورہ خبر اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ نوائے وقت بظاہر اپوزیشن کا اخبار ہے، لیکن آج کل حکومت کی مکمل سرپرستی اسے حاصل ہے۔ اس لئے مذکورہ خبر سٹاف رپورٹر کا شاہکار نہیں بلکہ یہ ایک سرکاری ہینڈ آؤٹ ہے۔ اس خبر کا مقصد مزدوروں میں انتشار پھیلانے کے سوا کچھ نہیں تاکہ باوا رفعت کا معاملہ کھٹائی میں ڈالا جا سکے۔ نوائے وقت کی سرکار سے سرپرستی کا راز اس وقت افشا ہوا تھا، جب اس کے سٹاف رپورٹر نے پیپلز پارٹی کے رہنما عوامی اداکار طارق عزیز پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ اس نے وزارت اطلاعات سے ایک فلم کے لئے چار لاکھ روپے کی امداد طلب کی تھی۔ بہر حال مذکورہ خبر انتہائی تشویش کا باعث ہے۔ عوامی حکومت اپنے مخالفین پر ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے، ملک سے فرار ہونے کی کوشش کرنے، بھنیسیں چرانے اور اسلحہ رکھنے کے الزام میں جس طرح اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی ہے، خدشہ ہے کہ کہیں یہ ہی اس کی تباہی کا سبب نہ بن جائیں۔ باوا رفعت کے متعلق نوائے وقت میں جو خبر شائع ہوئی ہے اس سے اگر صدر راولپنڈی تھانہ کے ایس۔ ایچ۔ او، اور ڈی۔ ایس۔ پی کینٹ کے ان بیانات کی کڑیاں ملائی جائیں جو انہوں نے پیپلز لیبر فرنٹ کے رہنماؤں کے سامنے اس وقت کہے تھے جب وہ رفعت باوا کی گمشدگی پر ڈپٹی کمشنر راولپنڈی کے اصرار پر تھانے میں رپورٹ درج کرانے کے لئے گئے۔ پولیس کے ان دونوں افسروں نے پی۔ ایل۔ ایف کے عہدیداروں کی رپورٹ نہ صرف درج کرنے سے انکار کیا بلکہ انہیں ٹھوکریں ماریں، دھکے دیئے اور کہا کہ "باوا رفعت خطرناک شخص ہے۔ وہ

باقی صفحہ ۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں

رپورٹ : اباسین



ان داھوں پر کون حق و انصاف کی شمع جلائے گا؟

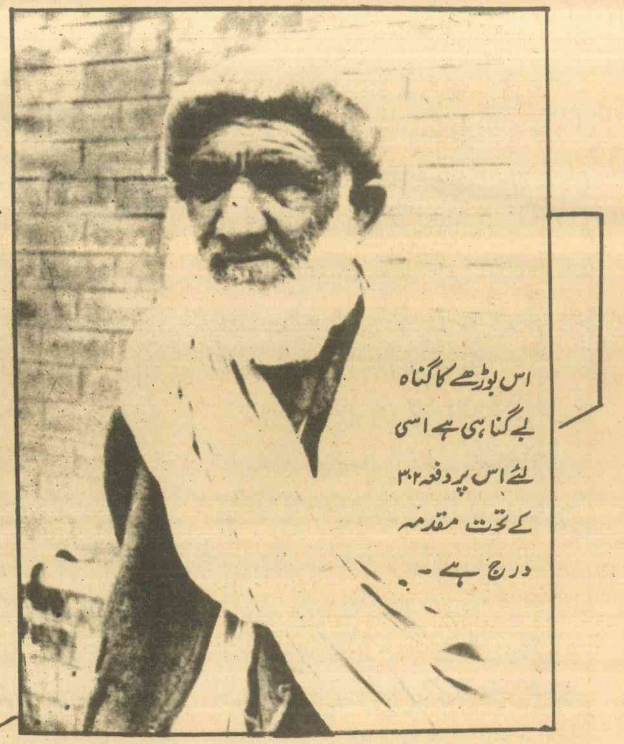


گھر کی مقدس دیوار سے محروم ہا تھ کھلے آسمان تلے زندگی کا عنوان تلاش کر رہے ہیں

خوانین کے مظالم

• جمہوریت اور اسلام پسندی کا نعرہ لگانے والے کہاں روش ہو گئے ہے

• خوانین کے وحشی کارندے کسانوں پر ٹوٹ پڑے



اس بوڑھے کا گناہ بے گناہی ہے اسی لئے اس پر دفعہ ۳۰۲ کے تحت مقدمہ درج ہے۔

شاہی بالا کے پندرہ گاؤں تباہ کر دیئے گے

اِن دِنوں پشاور میں صوبہ سرحد کے گورنر کی سرکاری رہائش گاہ کے سامنے وزیروں اور مشیروں کی کوٹھیوں کی چاردیواری کے ساتھ بے خانماں تباہ حال انسانوں کا ایک ہجوم ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے، اس ہجوم میں کم سن بچے بھی ہیں، ناتواں بوڑھے بھی، جوان اور بوڑھی عورتیں بھی، اور جوان مرد بھی، اپنی ہیئت اور اپنی گفتگو سے وہ نظر آتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ پختون ہونے کے علاوہ پاکستانی بھی ہیں۔ اُن کے چہروں سے غم و اندوہ چھلکتا نظر آتا ہے، اُن کے جسم اور ان کا مال و متاع اس تشدد اور ظلم کی علامت نظر آتا ہے جس سے گذر کر وہ گورنمنٹ ہاؤس تک پہنچے ہیں۔

چہروں پر جمی ہوئی گرد سے یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ کوئی طویل راستہ طے کر کے آئے ہوں، مگر صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔ وہ نہ تو بھرپار کر کے مہاجرین ہیں جن پر بھارتی فوجوں نے تشدد کیا تھا نہ ہی شکر گڑھ کے بے خانماں ہیں جو بھارتی درندگی کا شکار ہوئے تھے، وہ پنجابیوں، سندھیوں یا بلوچیوں کے ظلم کا نشانہ بھی نہیں بنے اور ان کا تعلق راولپنڈی فائرنگ کیس سے بھی نہیں۔ یہ لوگ کسی آسمانی آفت یا وبائی بیماری کا نشانہ بھی نہیں بنے۔

اپنے انجام اور اپنے مقدر کے فیصلے کے منتظر اس ہجوم کے ماتھوں پر یہ عبارت درج نظر آتی ہے اس میں ایسا کوئی بھی جرم نظر نہیں آتا جو ان کے حسبِ حال ہو یا جس سے اُن کی تباہی و بربادی کا جواز متعین کیا جا سکے۔ اس ہجوم کی پیشانیوں کے محضر نامے میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی جس سے یہ پتہ چل سکے کہ وہ کس مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ آئینی مسائل سے انہیں کس قدر اختلاف ہے وہ پارلیمانی نظام پسند کرتے ہیں۔ یا صدارتی، وہ ولی خان کے حامی ہیں یا صدر بھٹو کے، یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ چار قومیتوں پر یقین رکھتے ہیں یا آٹھ قومیتوں پر۔ اسلامی نظام چاہتے ہیں یا سکولرزم نظام، بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے حق میں ہیں یا اس کے خلاف ہیں، ان کے محضر نامے میں صرف ایک ہی جرم نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُن کا تعلق زمین سے ہے، اُن کا رشتہ مٹی اور پیداوار سے ہے وہ ہل چلانے والے ہیں وہ کسان ہیں۔ ایسے کسان جو روزِ اول سے مٹی کے ساتھ منسلک ہونے کے باوجود مٹی سے لاتعلق گردانے جاتے ہیں۔

ان کسانوں کا کہنا ہے کہ وہ شاہی بالا سے آئے ہیں جہاں وہ عید الضحیٰ کی صبح تک رہتے تھے، جیسے وہ عید کی صبح تک اپنا گھر سمجھتے تھے اور اس گھر کی نسبت سے اپنے آپ کو اس ملک کا شہری محسوس کرتے تھے مگر اب — اب ان کا وہ تعلق توڑ دیا گیا ہے۔ اب وہ گھر اور زمین کے رشتے سے محروم کر دیئے گئے ہیں اب وہ نہ تو شاہی بالا کے باسی ہیں۔ نہ اس ملک کے شہری ہونے کے مدعی ہیں۔ کیونکہ اب ان کا کوئی ٹھکانہ، کوئی شہریت، کوئی وطن اور کوئی وطنیت باقی نہیں رہی — شاہی بالا کے خوانین نے ان کی قومیت اور وطنیت کی جڑیں کاٹ ڈالی ہیں۔ اور انہیں کھلے آسمان کے نیچے سرکاری سڑکوں اور عمارتوں کا طواف کرتے، مہذب دنیا کے نظارے کرنے اور پاکستان کی سیر کے لئے دنیا کے تمام غموں سے آزاد کر دیا ہے۔

کسانوں کا کہنا ہے کہ شاہی بالا کے خوانین نے عدالت سے ایک کسان گھرانے کی زمین سے بے دخلی کے احکامات حاصل کئے تھے۔ یہ عید الضحیٰ سے ڈیڑھ ایک روز پہلے کی بات ہے، وہ لوگ پولیس کی نفری لے کر گاؤں آئے اور انہوں نے ایک کسان گھرانے کو اس کی زمین سے بے دخل کر دیا۔ اُس کا کوٹھا (کچی مٹی کا گھر) منہدم کر دیا۔ اور واجبات اور قرضوں کے سلسلے میں



نئی نسل اور ظلم کی دھوپ



زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں؟



پھول سے چہرے کھلے آسمان تلے بلکتی زندگی کا نوحہ سن رہے ہیں



جو دل پر گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

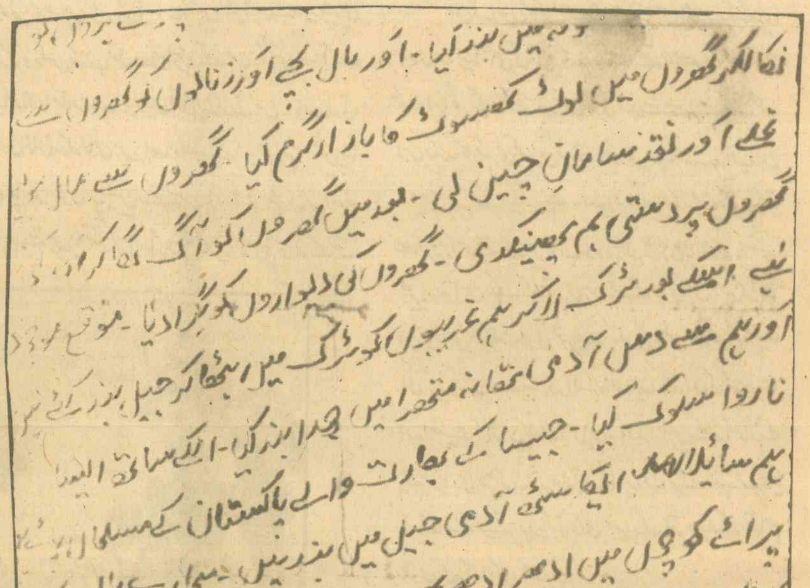
فٹ پاتھ بے خانماں کسانوں کا وطن بن گیا

اس کے مال مویشی بھی ہتھیا لئے۔ ان کا کہنا ہے۔ ایک کسان گھرانے کی اس تاراجی کے دوران کوئی جھگڑا فساد نہ ہوا۔ کسان نے قبضہ دینے میں کوئی مزاحمت نہ کی۔ وہ ایک کسان گھرانے کی تباہی کا منظر دیکھتے رہے، اور خوانین کے آدمیوں نے ان سب کی نظروں کے سامنے ایک پورے گھر کو یوں ملیامیٹ کر دیا جیسے کسان اپنی درانتی سے خود رو گھاس اور جھاڑیوں کو کاٹ اور اکھاڑ پھینکتا ہے۔ وہ یہ تمام منظر دیکھتے رہے، ایک غریب گھرانہ روتا رہا، چیختا رہا، چلاتا رہا، فریاد کرتا رہا، مگر سرکاری احکامات بجا لائے گئے۔ اور پھر جب پولیس کے اہلکار اپنا کام کر کے چلے گئے، تو خبر آئی کہ شام پڑتے ہی جب پولیس کا عملہ واپس جا رہا تھا تو راستے میں تانگے میں سوار پولیس افسر کو کسی نے گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔

پولیس افسر کے قتل کی یہ خبر کسانوں پر قیامت بن کر ٹوٹی اور اگلی صبح پولیس اور خوانین کی فوج نے پولیس افسر کے قتل کے الزام میں شاہی بالا کے پندرہ گاؤں تاخت و تاراج کر دیئے کھڑی فصلوں کو جلا دیا۔ غلہ لوٹ لیا۔ کسانوں کے کوٹھے ہموار کر دیئے۔ اور ان کے مال و متاع کو آگ لگا دی۔ ایک اندازے کے مطابق ایک شخص کے قتل کے انتقام کے لئے ایک سو ساٹھ گھروں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ اور کم و بیش آٹھ نو سو افراد کو عیدالضحیٰ کی مبارک صبح کو قومیت وطنیت اور زندگی کے ہر اس رشتے سے محروم کر دیا گیا جس کی بنا پر وہ اپنا تشخص کر سکتے تھے، یہ تاراجی صرف تاراجی تک محدود نہ رہی کسانوں کے خلاف اس سے آگے کارروائی کی گئی پولیس نے تقریباً ۱۶۱ افراد کے خلاف اپنے ایک افسر کے قتل کے الزام میں مقدمہ درج کر لیا۔ کئی افراد کے خلاف زیر دفعہ ۳۰۲ مقدمات درج کر لئے گئے اور کئی کا ۱۰۷/۱۵۱ میں چالان کر لیا گیا۔

کسانوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ جس تانگے میں پولیس کا افسر واپس جا رہا تھا۔ اس میں خوانین کے مسلح افراد سوار تھے۔ وہ کہتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ کسان حملہ کریں اور گولی صرف ایک شخص کو لگے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسانوں نے تانگے پر گولیاں چلائی ہوتیں تو کم از کم کوئی دوسرا شخص بھی تو زخمی ہوا ہوتا۔ پھر پولیس افسر کے ساتھ کسانوں کی دشمنی ہی کیا تھی۔ وہ بے چارہ تو سرکاری ملازم تھا۔ عدالت کے احکامات کی تعمیل کے لئے آیا تھا۔ کسانوں کا کوئی دشمن تھا تو وہ خوانین تھے۔ اگر کسان حملہ کرتے تو خوانین پر کرتے۔ وہ کہتے ہیں اگر ہم مسلح ہوتے اور ہم نے پولیس افسر کو قتل کیا ہوتا تو ایک سو ساٹھ گھروں اور پندرہ دیہاتوں کی تاراجی کو خاموشی سے کیسے برداشت کر لیتے۔ مگر قانون ان کا یہ موقف تسلیم نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ موقف پولیس کے منشا کے خلاف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خوانین کے مفادات، کسانوں کے موقف سے مجروح ہوتے ہیں۔

کسانوں کا کہنا ہے کہ جس صبح ان کے گھروں پر حملہ کیا گیا، وہ عیدالضحیٰ کی صبح تھی۔ ان کے بچے عید کی تیاریوں میں مصروف تھے، عورتیں عید کا تہواری ناشتہ تیار کرنے میں مصروف تھیں۔ جوان لڑکیاں اور چھوٹے بچے ہاتھوں کی مہندی دھو رہے تھے اور اپنے ہاتھوں کی لالی ایک دوسرے کو دکھا رہے تھے۔ بوڑھے اور جوان عید کی نماز کی تیاریوں میں مصروف


وہ میں بند آیا۔ اور مال بچے اور زنانوں
نکالکر گھروں میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا۔ گھروں سے
نکلے اور نقد سامان چھین لی۔ بعد میں گھروں کو آگ لگا دی
گھروں پر دستی بم پھینکدی۔ گھروں کی دیواروں کو گرا دیا۔ موقع
نیز ایسکے بعد ٹرک۔ اگر ہم غریبوں کو ٹرک میں بٹھا کر جیل بند کرائے
اور ہم میں سے دس آدمی تھانہ متھرا میں بند کرا دئے
ناروا سلوک کیا۔ جیسا کہ بھارت والے پاکستان کے مسلمانوں
ہم سائلان ایکاسی آدمی جیل میں بند ہیں۔ ہمارے بال بچے
کوچل میں ادھر ادھر پھرتے ہیں۔ اور ہمارے سب
کی گھریں بھی لوٹ گئے۔ اور کھیتوں سے فصلات بھگا لے گئے۔
لہذا استدعا ہے کہ حکومت فوراً سائلانوں کی بال بچے
واپسی کر دیں۔ اور فصلات [illegible]

گوٹھوں کے نام کسانوں کی درخواست کا عکس

تھے۔ مگر یہ تمام تیاریاں دھری کی دھری رہ گئیں۔ اچانک گاؤں پر حملہ ہوگیا۔ پولیس نے سارے گاؤں کو گھیرے میں لے لیا۔ اور خوانین کے درندے کسانوں پر ٹوٹ پڑے، اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے خواب اور ساری خوشیاں آگ اور دھوئیں میں ڈوب گئیں۔ یہ بے خانماں بے یار و مددگار لوگ جب اپنے بچوں کو سمیٹے گاؤں سے باہر نکلے تو کتنی اور قافلے ان کے منتظر تھے۔ وہ دوسرے دیہاتوں سے لٹ کر آتے تھے۔ اور ایک منزل پر پہنچ کر یہ سوچ رہے تھے، کہ وہ کہاں جائیں۔؟ کس شہر، کس وطن اور کس نگر کی طرف بڑھیں۔ عیدالضحیٰ کی قیامت خیز صبح کے یہ گنہگار ابھی تک اپنی منزل تلاش نہیں کر سکے۔ ابھی تک پختونوں کا کوئی ہمدرد، کوئی غمگسار، ان کی مدد کو نہیں پہنچا۔ ان کے اسیروں کی ضمانتیں ہو گئی ہیں۔ مگر ان کی زمینیں ابھی تک ظلم و تشدد کی اسیر ہیں۔

وہ گورنمنٹ ہاؤس کے باہر سڑک پہ سے گزرنے والے ہر شخص کو اپنی روداد سناتے ہیں۔ پنڈی فائرنگ کیس کے سلسلے میں یہاں وکیلوں کا جلوس نکلا تھا۔ چالیس پچاس وکیل جن کا تعلق جماعت اسلامی، نیپ اور تحریکِ استقلال سے تھا، جمہوریت کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ وہ پنڈی فائرنگ کیس کے خلاف حکومت کو گالیاں دے رہے تھے۔ مگر ان میں سے کسی کی نگاہ ان کسانوں پر نہیں پڑی۔ ان کے لئے کسی نے احتجاج نہ کیا۔

یہ کسان حیران ہیں کہ پختون قومیت کا مفہوم ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ جمہوریت کی تعریف اور شہری آزادیوں کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ عبدالولی خان سے پوچھتے ہیں۔ خان اعظم! کیا ہم پختون نہیں۔؟ کیا پختونوں کے تشدد کا نشانہ بننے والے پختونیت کے دائرے سے خارج ہو جاتے ہیں؟ کیا آدھے پاکستان کی ملکیت صرف عبدالولی خان کا مقدر ہے؟ وہ حیران ہیں کہ مفتی محمود بھی ان کی مدد کو نہیں پہنچے۔؟ شاید اس لئے کہ ان دنوں وہ خود مدد کے محتاج ہیں۔ یا شاید اس لئے کہ ملک کو انسانی تباہی سے زیادہ کسی بڑی تباہی کا خطرہ لاحق ہے۔؟

لاوارث بے وطن کسانوں کے بچے گورنمنٹ ہاؤس کی عمارت کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اور ہر روز فٹ پاتھ پر سوتے ہیں۔ یہ فٹ پاتھ ان کا وطن بن گیا ہے۔ عبدالولی خان کے گاؤں شہی باغ کے تباہی حالات کی کہانی ان دنوں گورنمنٹ ہاؤس کے باہر اپنے مقدر کے اگلے مرحلے کی منتظر ہے۔ وہ منتظر ہیں کہ پیپلز پارٹی والے ان کی مدد کو آئیں۔ پختون قومیت کے محافظ ولی خان آئیں۔ اسلامی نظام والے مفتی اور مودودی آئیں۔ مگر ابھی تک انہیں کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی۔



کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں



پھول سا لڑکپن سونی گلیوں میں دھول پھانکنے پر مجبور ہو گیا

بقیہ: رفعت باوا

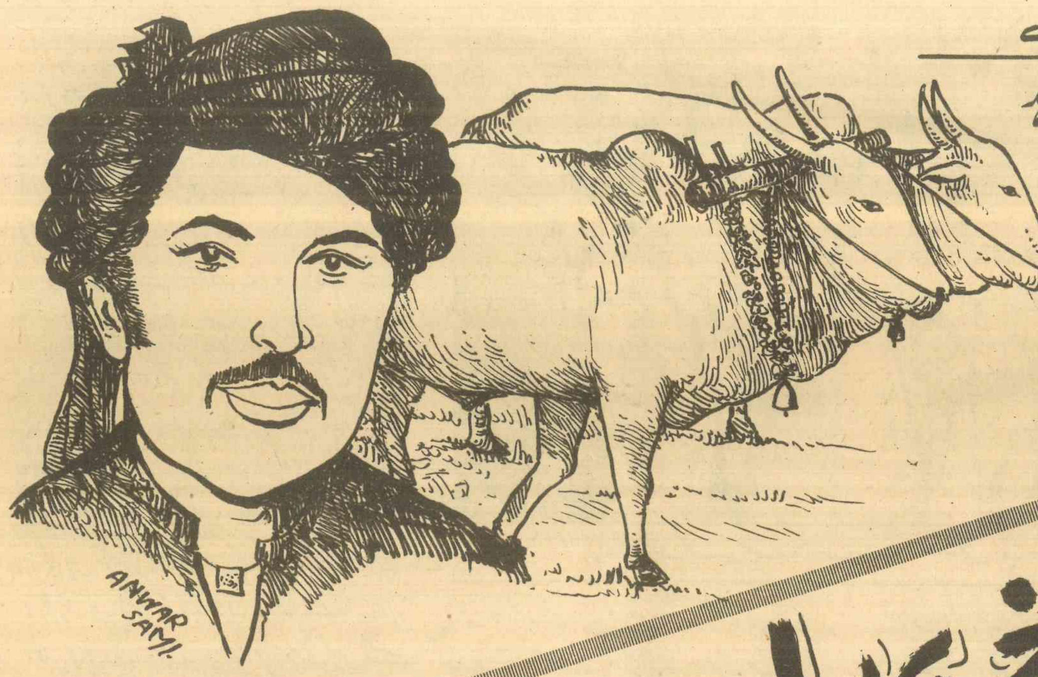
انڈیا کا ایجنٹ ہے۔" اخبار کی مذکورہ خبر سے یہ صداقت عیاں ہو جاتی ہے کہ حکام نے باوا رفعت کو ٹھکانے لگانے کے لئے بے بنیاد الزامات کا سہارا لیا ہے۔ اور باوا رفعت کی گرفتاری ایک سوچے سمجھے منصوبے کا ہی ایک حصہ ہے، جس کے تحت حکومت تمام ترقی پسند کارکنوں کا صفایا کرنا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں ۲۲ مارچ ڈسٹرکٹ جیل گجرات میں حوالاتی محمد جمیل ولد امام دین کی خودکشی کا واقعہ بھی غور طلب ہے۔

سرکاری اعلان کے مطابق جمیل نے کپڑے کی چادر پھاڑ کر اس کی رسی تیار کر کے اپنے گلے میں ڈال کر خودکشی کی۔ جیل کے حکام کے مطابق جمیل پر پاکستان میں بھارت کے لیے جاسوسی کرنے کا الزام تھا۔ اور اس کے خلاف مقدمہ ابھی زیر سماعت تھا۔

بہر حال باوا رفعت پر جو الزامات عائد کئے گئے ہیں، وہ انتہائی قابل مذمت ہیں۔ مزدوروں اور مزدور لیڈروں پر ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام لگانے والے یقیناً ملک اور قوم کے خیر خواہ نہیں ہیں۔ اگر پاکستان کی اکثریت جو مزدوروں، کسانوں اور نچلے درجے کے مختلف طبقات پر مشتمل ہے، وہ ملک دشمن ہے تو پھر محب وطن کون ہے۔ کیا اب حب الوطنی کا سرٹیفکیٹ بھی حاصل کرنا ضروری ہوگا۔

افسانہ

اعجاز شاہد



آخری رات

آخری رات بیت رہی تھی، ایک طرح کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک دن پہلے اور اسی وقت میں۔ صدیوں کا فاصلہ تھا اور اقبال سوچ رہا تھا، کیا یہ سب مجھ پر بیتا ہے، حدِ نظر تک تاریکی، تیز ہوا کے شور اور سرد جھونکے اور دریا کی مضطرب لہریں اس کی سوچوں کی تصدیق کر رہی تھیں۔ چند گھنٹے پہلے وہ آٹھ دس کوس فاصلہ طے کر کے یہاں آیا تھا۔ جوں جوں وہ اپنی منزل کے قریب آتا گیا، عجیب سی سوچیں اُسے گھیرے ہوئے تھیں۔ "کیا وہ لوگ اسے دیکھتے ہی تو مار نہ ڈالیں گے؟ وہ اس سے کس طرح پیش آئیں گے۔ اور وہ لوگ، جو اجنبی تھے اور اس کی زندگی نے انقلاب کے محرک ہوئے تھے اسے معاف کر دیں گے؟۔۔" جونہی اس نے چراغ آباد کے پہلے کھیت کی پار عبور کی، رات کی تاریکی کو چیرتی ہوئی آواز گونجی۔۔۔ "کون؟" اس نے آواز پہچان لی، یہ غلام قادر کی آواز تھی، ایک لمحہ کے لئے اس کا دل خوف سے کانپا "میں ہوں اقبال۔ کاردار" "کاردار" کہتے ہوئے اس کی آواز لڑکھڑائی "ہاتھ اوپر اٹھالو اور بندوق پھینک دو"، قریب ہی سے غلام قادر تحکمانہ آواز ابھری۔ اس نے بندوق نیچے پھینک دی اور اس کے آگے چلنے۔۔۔ جھونپڑے میں داخل ہوئے، سامنے وہی تین اجنبی بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے "کامریڈ۔۔۔ یہ اقبال ہے۔ رئیس کا کاردار"، تین ٹٹولتی ہوئی نظریں اس کا جائزہ لینے لگیں۔۔۔ پھر پوچھنے پر اس نے تمام تفصیل سنا دی، اس نے وہ راز اگل دیا جس کی تصدیق ہونے پر اس کی زندگی کے نئے رخ کا آغاز ہونا تھا۔۔۔"

نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی بندوق کی ٹھنڈی نالی پر اس کے گرم گرم ہاتھ بڑی مضبوطی سے جمے ہوئے تھے خیالات کا سلسلہ اسے پھر ایک دن پہلے کی طرف لے گیا۔ وہ "رئیس آباد"، کی قلعہ نما چاردیواری کے باہر حلکر لگا رہا تھا، کیونکہ جاگیردار کی یہی ہدایت تھی۔ ان دنوں کسانوں میں بڑھتی ہوئی بے چینی نے جاگیردار کو بہت محتاط کر دیا تھا اور نتیجتاً رئیس آباد آنے والی ہر بس کا اچھی طرح جائزہ لیا جاتا تھا۔ افواہ تھی کہ باہر سے کچھ لوگ آکر کسانوں کو ورغلا رہے ہیں۔ وہ گھومتا ہوا اس پل پر پہنچا جہاں سے چراغ آباد کو راستہ جاتا تھا۔ وہ ٹھٹک کر رہ گیا تین اجنبی ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں چراغ آباد کے راستے پر جا رہے تھے۔ وہ لوگ شاید چاردیواری سے باہر ہی بس سے اتر گئے تھے۔ تجسس کے کسی خاص جذبے کے تحت وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ لوگ اس سے باتیں کرنے لگے۔ وہ کہاں رہتا ہے۔ کتنی زمین ہے جاگیردار ظلم تو نہیں کرتا۔ کسان تحریک کے بارے میں اس کے کیا خیالات ہیں۔ جس خلوص اور اپنائیت سے وہ پوچھ رہے تھے اس نے اس کی ساری جھجک دور کر دی۔ اس نے بتایا کہ وہ رئیس کا کاردار ہے۔ اور بچپن ہی سے رئیس کے دینی مدرسہ میں تعلیم پاکر جوان ہوا۔ اس نے بتایا کہ اُسے کسانوں سے ہمدردی ہے لیکن وہ اس تحریک کو حماقت سمجھتا ہے کیونکہ رئیس اس کے آباؤ اجداد کے وقت سے یہاں کا حکمران ہے۔ اس کے خلاف کسان جدوجہد کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ پچھلے دنوں کتنے کسان گرفتار ہوئے ہیں اور پھر ان کے گھر جلا دیئے گئے۔ آخر کسانوں کو کیا ملا؟ اگرچہ چراغ آباد کے کسانوں نے کچھ زمین حاصل کر لی ہے لیکن جلد حکومت وہ واپس لے لے گی کیونکہ حکومت بھی رئیس کی طرف ہے۔

وہ سب خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے پھر اُن میں سے ایک کہنے لگا "دیکھو اقبال میاں آج ایک نہیں پاکستان کے کئی رئیس اور جاگیردار کسانوں کے انقلاب کی زد میں ہیں۔ یہ کسان چراغ آباد کے ہوں یا جھل جاؤ کے، ہشت نگر کے ہوں یا بنگلہ اچھا کے۔ اس ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں جن کو آج تک وہ اپنا مقدر سمجھ رہے تھے اور دنیا کے کچھ ایسے ملک ہیں جہاں ان رئیسوں اور جاگیرداروں کا بیج ختم کر دیا ہے۔ پھر وہ اسے اس جدوجہد کے متعلق بتاتے رہے جو سرحد کے کسانوں نے خانوں کے مقابلہ کے لئے کی تھیں اور آخر میں اس نے مسکراتے ہوئے کہا "آج تمہیں اِن کسانوں

سے ہمدردی ہے لیکن ایک دن اس ظلم کے خلاف تم بھی ان کسانوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ یہ ظلم جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو ایک دِن تمہیں متنفر کر دے گا" وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ عجیب سے احساسات اس کے دل میں سرایت کرتے رہے۔۔۔۔ یہ لوگ جو شہروں سے آتے ہیں۔۔۔ جو پڑھے لکھے ہوتے ہیں، جو دنیا کے متعلق جانتے ہیں۔۔۔ یہ جھوٹ نہیں بولتے ہوں گے۔ کیا کسان واقعی جاگیرداری کو ختم کر سکتے ہیں۔؟ یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

اور رات جب وہ آخری چکر لگا کر آ کر سونے کیلئے لیٹا تو اس کے کانوں میں سب باتیں گونج رہی تھیں "اس ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے کسان کھڑے ہو رہے ہیں جن کو وہ اپنا مقدر سمجھ رہے تھے اور دنیا کے کئی ایسے ملک بھی ہیں جہاں ان رئیسوں اور جاگیرداروں کا بیج ختم کر دیا گیا ہے۔" پھر۔۔۔" ایک دن اس ظلم کے خلاف تم بھی ان کسانوں میں شامل ہو جاؤ گے"۔۔۔ اور پھر اُسے پرسوں کا واقعہ یاد آگیا بستی سکھانی کے بوڑھے اسماعیل کو چند کارندوں نے پکڑ رکھا تھا اور اسے پیٹ رہے تھے اور وہ رو رو کر اُن سے کہہ رہا تھا۔" خدا کے لئے معاف کر دو، میرے پاس "بھونگا" دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے اور پھر اچانک ذیلو کارندے نے اس کی ڈاڑھی پکڑ لی۔" لاؤ اس کی ڈاڑھی مونڈ دو یہ ایسے نہیں مانے گا" اور پھر اس نے دیکھا کہ بوڑھا اسمٰعیل اس کے پاؤں سے لپٹ گیا، اپنی پگڑی کو اس کے قدموں میں ڈال دیا۔ وہ پاگلوں کے انداز میں کہہ رہا تھا "نہیں، نہیں ایسا نہ کرو میں اپنی آخری گائے بھی بیچ کر تمہیں بھونگا دے دوں گا۔ لیکن خدا کے لئے میری ڈاڑھی نہ مونڈ اؤ"

اگر یہ ظلم ہے پھر تو یہاں یہ اکثر دہرایا جاتا ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے۔۔۔ اور پھر کئی واقعات کا تسلسل اس کے ذہن میں بندھ گیا۔۔۔ آخر میں اس کے ذہن میں ایک ایسی یاد بھی ابھر آئی جسے وہ بچپن سے بھلا چکا تھا۔۔۔ "وہ آٹھ دس سال کا لڑکا تھا۔ ماں مر چکی تھی۔ ایک صبح جب وہ جاگا تو معلوم ہوا کہ رات ان کا بیل چوری ہو گیا ہے۔ اس کا باپ رئیس کو بتانے چلا گیا۔ یہی دستور تھا، رئیس تھانے کی طرف بھجوا دیتا جو "بھونگا" لیکر جانور واپس دلا دیتے۔ اس کا باپ واپس آیا تو اس کا جسم زخموں سے چور تھا۔ ٹھوکروں اور مکوں نے اس کے جسم پر خون کے کئی دھبے پھیلا دیئے تھے۔ اور سب سے بڑی بات اس کی ڈاڑھی مونڈ دی گئی تھی۔۔۔۔ اسے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے باپ نے پولیس کو بھونگا دینے سے انکار کر دیا تھا۔۔۔ اس کے پاس تین سو روپے کہاں سے آتے؟ جس کے گھر دانے بھی ختم ہونے والے تھے اور بیل لئے بغیر وہ واپس کیسے جاتا، اس بیل کے بغیر وہ مزارع بھی تو نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ تو زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ تھانیدار نے گالیاں دے کر بھگانا چاہا تو وہ ڈٹ گیا۔ اسے پیٹا گیا اور جانے اسے پھر کیا ہوا وہ رئیس اور تھانیدار کے متعلق بہت کچھ بک گیا اور نتیجہ ظاہر تھا۔ اس کے بعد اس کا باپ خاموش رہا کرتا اور آسمان کی وسعتوں میں جانے کس چیز کو تلاش کرتا رہتا اور چند ماہ بعد ایک دن صبح اس نے دیکھا کہ اس کا باپ ہمیشہ کی نیند سو چکا تھا۔۔۔ پھر وہ رئیس آباد آگیا اور رئیس کے دینی مدرسہ میں داخل ہو گیا۔ اسے وہ دن یاد آیا تو ایسے لگا کہ پرسوں بستی سکھانی کا بوڑھا اسمٰعیل نہیں تھا۔ اس کا باپ تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی بارش ہونے لگی، یہ صحرا آنکھیں جن سے کبھی ایک بوند نہ ٹپکی تھی۔۔۔ جانے کب نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔

یکایک ایک تیز آواز نے اسے جگا دیا اقبال، اقبال۔ وہ اٹھا تو معلوم ہوا کہ رئیس کے مینجر نے بلایا ہے۔ رئیس کی حویلی میں مینجر غنڈوں سے کہہ رہا تھا" آج رات چراغ آباد کا نام و نشان مٹ جانا چاہیئے۔ وہ اس وقت سو رہے ہوں گے۔ رئیس صاحب کا حکم ہے کہ گھروں کو آگ لگا دی جائے تاکہ یہ قصہ ہی پاک ہو" اسے بھی ایک بندوق دے دی گئی۔ وہ بندوق ہاتھ میں لئے خالی الذہن کھڑا رہا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے بندوق کو مضبوطی سے پکڑا اور باہر جانے لگا۔ اس کے قدم بڑی تیزی سے چراغ آباد کی طرف بڑھ رہے تھے۔

حملہ کا وقت پچھلے پہر تھا اور ابھی آدھی رات گزری

باقی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں

پروڈیوسر خود کو راجہ اندر سمجھتے ہیں

آواز کے امتحان میں کامیابی کے بعد بھی پروگرام نہیں دیئے جاتے

الفتح رپورٹ

اقربا پروری، خوشامد پسندی، اور دھاندلی کا نام ہے ریڈیو پاکستان۔ یہاں کے پروڈیوسرز اپنے آپ کو راجہ اندر سے کم نہیں سمجھتے۔ اس کرسی پر بیٹھنے کے بعد نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اگر آپ ریڈیو پر پروگرام کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کی آواز کا فوراً ٹیسٹ لیا جائے گا۔ جس کو ریڈیو پاکستان کی اصطلاح میں "آڈیشن" کہا جاتا ہے۔ یہ مشغلہ ریڈیو پاکستان کے پروڈیوسرز کے لئے بہت دلچسپ اور آسان ہے۔ لیجئے! آپ کا "آڈیشن" ہوگیا۔ اور آپ کی آواز کو پاس بھی کر دیا۔ آپ کا نام ان کے پاس لسٹ میں موجود ہے۔ لیکن آپ کو پروگرام ہرگز نہیں ملے گا۔ یقین نہ آئے تو آزما لیجئے۔ پروگرام صرف اُن کو ملے گا جو پروڈیوسروں کے آگے پیچھے پھر سکیں۔ ان کی خوشامد کر سکیں یا پھر کوئی اور چکر ہو۔ ایک مزے کی بات اور ہے وہ یہ کہ پرانے آرٹسٹوں کا بھی "ری آڈیشن" کیا جاتا ہے پھر "اپ ۔ د ۔" کیا جاتا ہے۔ اور پروگرام پھر بھی نہیں ملتا۔

ریڈیو پاکستان میں داخل ہو کر جب آپ بائیں ہاتھ مڑیں گے تو پہلے کمرے کے باہر ایک تختی نظر آئے گی جس پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہے "مس فاروق جہاں تیموری" یہاں پر یہ پروگرام آرگنائزر ہیں۔ میٹھی میٹھی باتیں بناتی ہیں اور خوشامدیوں میں گھری رہتی ہیں۔ انہیں کسی کی آواز اور صلاحیت کی خبر نہیں ہے۔ دو چار بندھے ہوئے آرٹسٹ ہیں پروگرام صرف انہیں کو ملتا ہے۔

آپ دوسری بیرک کی طرف آیئے یہاں پر بھی اختر شوق صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ موصوف کو شاعری کا بھی شوق ہے۔ پہلے زیادہ تر ڈرامے یہی پیش کرتے تھے۔ اب ٹرانسکرپشن میں چلے گئے ہیں۔ گھسے پٹے پرانے ڈراموں کے اسکرپٹ نکالتے ہیں اور دو چار آرٹسٹوں کو ٹک کر کے اپنے نام کا ملمع چڑھا کر پیش کر دیتے ہیں۔ انہیں نئے ڈرامے شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ ان صاحب کو جھوٹ بولنے میں کافی مہارت حاصل ہے۔ آرٹسٹوں کو دلاسے دیتے رہتے ہیں کہ آئندہ ہفتے پروگرام دوں گا۔ اور پھر وہ ہفتہ کبھی نہیں آتا۔

خبروں کے سیکشن کا بھی یہی حال ہے "ہزاروں آوازوں کا "آڈیشن" اور تقرر قرابت داروں کا۔ ریڈیو کے پرانے اور منجھے ہوئے آرٹسٹ بھی ہیں جن کو اب ریڈیو پاکستان سے پروگرام نہیں ملتے۔ حمیدہ نعیم ریڈیو کی مشہور آرٹسٹ رہ چکی ہیں۔ لیکن ڈرامے اب ان کی آواز سے محروم ہیں۔ اس طرح سنتوش رسل جو ڈراموں پر چھائی ہوئی تھیں۔ اب نہیں آتیں۔ کافی عرصہ ہوا میری ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ نے ریڈیو کیوں چھوڑ دیا۔ اس پر وہ مسکرائیں اور جواب دیا کہ میں نے ریڈیو نہیں چھوڑا۔ بلکہ ریڈیو نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔

ایک طرف تو بعض آرٹسٹوں کو ایک پروگرام بھی نہیں ملتا اور دوسری طرف ایک آرٹسٹ کئی پروگرام کرتا ہے مثلاً نیلو فر علیم ریڈیو سے کئی پروگرام کرتی ہیں۔ مانا کہ وہ ایک اچھی آرٹسٹ ہیں۔ لیکن ان کی آواز کی بناوٹ خاص کرداروں کے لیئے ہی موزوں ہے۔ اس طرح غزالہ یاسمین بھی صبح نو پروگرام پیش کرتی ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں کہ وہ ٹیلی ویژن کی کامیاب اناؤنسر ہیں تو ریڈیو پر بھی کامیاب رہیں۔ ریڈیو کے لئے ایسی آواز کی ضرورت ہوتی ہے جو لفظوں کی ادائیگی اچھے انداز میں کر سکے اور یہ عنصر اُن کی آواز میں مفقود ہے۔

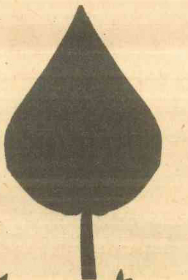
شمیم اعجاز ریڈیو کی بہت پرانی خبریں پڑھنے والی خاتون ہیں۔ لیکن ان کو ہٹا کر عقیلہ مسعود کو رکھ لیا گیا ہے۔ اور فوجی بھائیوں کا پروگرام ان کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اناؤنسر کے لئے ان کی آواز بالکل ناموزوں ہے۔ کان چونکہ ان سے خبریں سننے کے عادی ہو چکے ہیں۔ لہذا ان کی اناؤنسمنٹ بھی خبریں ہی معلوم ہوتی ہیں۔

ریڈیو کے بیشتر آرٹسٹ ایسے بھی ہیں جن کا تجربہ ریڈیو پاکستان کے پروڈیوسروں سے زیادہ ہے۔ اور پروڈیوسرز ان سے مفید مشورے بھی لیتے رہتے ہیں۔ لیکن انکی صلاحیتوں کو ختم کر کے ان کو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔ اس ادارے میں "نان میٹرک" کو بھی ملازمت دے دی جاتی ہے، ایک صاحبہ کمرشل سروس میں ملازمت کرتی ہیں۔ جب ان کا تقرر ہوا تو وہ نویں پاس تھیں۔ نوکری کے ڈیڑھ دو سال بعد انہوں نے میٹرک پاس کیا۔

ریڈیو پاکستان کی ایک اور دھاندلی ملاحظہ ہو، ایک خاتون ایک وقت میں دو سرکاری نوکریاں کرتی ہے۔ اس طرح یہ دوگر یجوئٹی اور دو فنڈ کی مستحق ہیں۔ یہ ہیں انیتا غلام علی، یہ ایک مقامی کالج میں پروفیسر بھی ہیں اور ریڈیو پاکستان کے نیوز ڈیپارٹمنٹ سے بھی منسلک ہیں، تقریباً یہی حال ٹیلی ویژن اسٹیشن کا ہے۔ وہاں بھی کسی کی شنوائی نہیں ہے۔ پروڈیوسرز اپنی من مانی کرتے ہیں۔

نئی حکومت آنے کے بعد ایک امید بندھ چلی تھی کہ حالات بہتر ہو جائیں گے۔ اور کسی کا استحصال نہیں کیا جائے گا اور فن کار کو اس کا جائز مقام دیا جائے گا۔ لیکن کچھ نہیں ہوا اور حالات جوں کے توں رہے۔ ریڈیو پاکستان کو جب کارپوریشن بنایا جانے والا تھا۔ اس وقت ریڈیو پاکستان نے تمام آرٹسٹوں کا "ری آڈیشن" کیا۔ اسی طرح اناؤنسر کیلئے کیا گیا اور گنے چنے آرٹسٹوں کی فہرست تیار کی گئی۔ لیکن نتیجہ صفر ہی رہا۔ فیسوں میں کچھ اضافہ تو ہوگیا لیکن ناموں کی فہرست پروڈیوسروں کی میز کی زینت بن کر رہ گئی ہے۔

اب ایک ہی سوال میرے ذہن میں چکر لگا رہا ہے کہ اس طرح کب تک ہوتا رہے گا۔ کب تک لوگوں کے جائز حقوق پامال ہوتے رہیں گے۔ اور کب تک حکومت خاموش تماشائی بنی سب کچھ دیکھتی رہے گی۔ ہم متعلقہ اداروں سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ فنکاروں کو ان کا جائز مقام دلانے کے لئے مؤثر اقدامات کرے۔



بیڑی کے کاریگروں کے خلاف سگریٹ ساز کمپنیوں کی سازش کامیاب ہوگئی

بیڑی کے آٹھ لاکھ مزدور

زندہ رہنے کا حق مانگ رہے ہیں

امیر بخش بلوچ ۔

صوبہ سندھ کی کل آبادی میں سے آٹھ لاکھ افراد ایسے ہیں جو اپنے وجود کو زندہ رکھنے کی کوشش میں ۲۵ سال تک موت وزندگی کی عجیب وغریب آنکھ مچولی دیکھتے آتے ہیں۔ بیڑی کے پتے سے وابستہ غریب لوگ۔ جنہیں ہر دور میں مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یوں تو ہماری تاریخ پرانی ہے اور سماج کی نظروں سے اوجھل ہے، لیکن جہاں تک ہمیں یاد ہے کہ پہلے بیڑی کے پتے بھارت سے آتے تھے۔ بڑے بڑے بیوپاری بڑی بڑی قیمتیں لے کر کارخانوں کو دیا کرتے تھے۔ بعض کے پاس اپنے کارخانے تھے۔ جہاں مزدور مشین کی طرح کام کرتے۔ صبح سے رات گئے تک اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے قیدی کی طرح کام کرتے۔ تب جا کے چار روپے کماتے بالآخر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد پتوں کی درآمد بند کر دی گئی۔ جہاں تک میرے علم میں بات ہے، ہم میں سے ۳۰، ۴۰ فیصد قومی رضا کار ہیں۔ ملک کے لئے بے روزگار ہو گئے۔ ہم نے یہ قربانی دی کہ چلو بے کار سے بیگار اچھی ہے، اور پھر خدمت بھی، لیکن خالی پیٹ سے کب تک ؟ ہم چلائے کہ ہم بھی ہیں ہمارا وجود بھی ہے۔ یہاں تک کہ ایوب کے دور میں ہم قومی اسمبلی میں مطالبہ لے کر گئے۔ اس وقت اجلاس جاری تھا اور ایوب کی پولیس اور سی آئی ڈی نے راولپنڈی میں ہم لوگوں کو دھمکایا بھی تھا کہ آپ لوگ سندھ سے یہاں آئے ہیں ؟ کس سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں ؟ خواہ مخواہ حکومت کے لئے سر درد بن رہے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت غوث بخش بزنجو جو کہ اسمبلی کے ممبر تھے، ہمارے ساتھ بڑی اچھی ہمدردی سے ساتھ پیش آئے تھے۔ ہم سے کہا کہ بھائی ہم اسمبلی آپ ں آوازے کر جائیں گے۔ ہم نے اسمبلی کے سامنے مظاہرہ کیا۔ اخباروں نے پوچھا۔ ہم نے حالات بتائے۔ بھائی ہم زندہ رہنے کے لئے اپنے مطالبے لے کر آئے ہیں۔ خدا خدا کر کے کچھ بن پڑا۔

مشرقی پاکستان سے اس پتے جیسا دوسرا پتہ نکالا گیا اور تجربہ کر کے کام چلایا۔ کام چل گیا۔ ایک بار پھر لاکھوں غریبوں کو زندگی کی رمق مل گئی۔ لیکن آج تک ایک سازش جو ہماری راہ میں حائل رہی۔ اس کے محرک سگریٹ کمپنی کے سرمایہ دار تھے ان کی ابتدا سے یہ کوشش رہی ہے کہ بیڑی نہ ہو تاکہ وہ اور بھی زیادہ اپنی تجوریوں کو بھر سکیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے لاکھوں روپے تک رشوتیں دیں۔ اپنی گاڑیوں سے پبلسٹی کی کہ بیڑی توڑ دو، سگریٹ سے دل جوڑ لو۔ اور بھی ہتھکنڈے کرتے رہے کہ یہ لوگ بھارت کے ایجنٹ ہیں، ملک دشمن ہیں۔ ایک بات یہاں واضح کر دوں کہ ہم میں بہت سے ایسے ہیں کہ جو لنگڑے معذور ہیں، بیساکھی سے چلتے ہیں۔ بھیک نہیں مانگتے، مزدوری کرتے ہیں۔ بیڑی باندھتے ہیں۔ جناب یہ ہیں بھارت کے ایجنٹ اور اسمگلر!۔

خیر پتہ مشرقی پاکستان کا چلایا۔ سوچا، یہ اچھا ہوا۔ اپنا ملک، اپنا مال۔ لیکن ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد وہ بھی گیا ہم پھر اس جگہ کھڑے تھے، جہاں پہلے تھے، اب کیا ہوگا ؟ اتنی ہوش ربا مہنگائی، بے روزگاری اور گھر میں بچے بھوکے ؟ کاش، سرمایہ دار ایک دن بھی غریب اور بے روزگار بن کر دیکھیں ؟ تو یہ سازشیں نہ کریں۔ لیکن انہوں نے تو غریب کو غریب بنانے کی قسم کھا رکھی ہے۔

یہ بیڑی کے پتے محض بھارت میں نہیں ہوتے سیلون، سنگھاپور، انڈونیشیا اور دوسرے ملکوں میں بھی موجود ہیں۔ اور اگر کوشش کی جائے تو اپنے ملک میں جہاں سرد علاقے ہیں، مثلاً کوہ مری، سوات جیسے علاقوں میں، ہو سکتے ہیں اور دوست ملکوں سے درآمد کئے جا سکتے ہیں۔

اس بات کے پیش نظر ہم نے پھر پکارا کہ بھائیو، ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے ایک بار پھر اپیلیں کیں، ہماری کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

یا تو ہماری آواز کمزور تھی یا ان پر سرمایہ داری کا راج تھا کسی بڑے آدمی کو کام ہو تو اداریے لکھے جاتے ہیں اور ایک طرف آٹھ لاکھ مظلوم غریب مزدوروں کے لئے دو سطر لکھنا بھی گوارا نہیں۔ زیادہ افسوس کراچی کے ایک اردو اخبار کا ہے جو سب سے بڑا ہے! خیر جو ہوا، سو ہوا اخباروں سے ناامید ہو کر (ایک وضاحت کر سندھی اخباروں نے گاہے گاہے ہمارے مطالبات شائع کئے تھے اور کر رہے ہیں، ان کا ہم شکریہ بجا لاتے ہیں) ہم نے وزیروں کو لکھا، جو وزیر آیا، ہم ان سے ملے۔ قاسم حاجی عباس، قائم علی شاہ، وحید کٹپر میر رسول بخش (اس وقت گورنر تھے) عبدالستار کے سامنے اپنے مسائل پیش کئے اور جناب صدر مملکت کو بھی عرض نامے رجسٹرڈ کئے، جو انہوں نے وصول کئے۔ کبھی کبھار کسی وزیر کا امید افزا بیان آجاتا۔ ہم اس اخبار کا تراشہ اور عرضی منسلک کر کے رجسٹرڈ کر دیتے کہ یاددہانی بخیر۔

اگر یہ نہیں تو کسٹم میں لاکھوں من پتے پڑے ہیں، وہ نیلام کر دو۔ چند ماہ تو روزگار ہوگا۔ اس موقع پر حکومت تو خاموش رہی، لیکن بعض مفاد پرست چلا اٹھے۔ "نہیں بھائی نہیں، اسمگلنگ زور پکڑ جائے گی" جناب عالی اسمگلنگ ماسوائے پتوں کے رک سکی تھی؟

کیا کسی کے پاس اس بات کا ٹھوس ثبوت موجود ہے۔ اگر ہے تو ہماری مشکل حل کر دے۔ کم سے کم ہم ذہنی طور پر یہ تو سوچیں گے کہ ہماری بے روزگاری اور بھوک و افلاس بھی وطن مقدس کے کام آ رہی ہے۔ اور ہم بھی کام کے آدمی ہیں۔۔۔۔

عرض کر رہا تھا کہ بالآخر حکومت نے دبے دبے الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ پتے بیڑی کے امپورٹ کئے جائیں گے۔ تو اچانک لاہور سے ایک احتجاج بلند ہوا (یاد رہے کہ لاہور میں بھی سگریٹ کمپنیاں ہیں اور صوبہ سندھ کے سوا دوسرے صوبوں میں بیڑی کی صنعت نہیں ہے)

ایک صاحب جن کا نام واجد علی شاہ ہے، ان کا بیان کراچی کے ایک دو اردو اخباروں میں شائع ہوا کہ حکومت

پابندی ختم نہ کرے۔ سندھ میں پانچ ہزار بیڑی مزدوروں کو روزگار مل جائے گا۔ نیز یہ کہ کسٹم والا پنّہ بھی۔۔۔۔ موقع پاتے ہی۔۔۔ سمندر میں ڈال دے۔ بہت خوب۔۔۔۔۔ نہ جانے شاہ جی نے کس مصلحت کے تحت یا کس کے اشارے پر ایسا بیان دیا ہے۔

ہمیں تو ایک بار پھر سگریٹ کمپنی کی بو آرہی ہے ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ یہ بیان دیکھ بھال کر کے صحیح اندازہ لگاکر دیا جاتا۔ صوبہ سندھ کے تقریباً ہر ضلع اور ہر تحصیل اور ہر شہر میں یہ صنعت موجود ہے۔ پھر چھوٹے چھوٹے دوکاندار بھی اس سے وابستہ ہیں، جو آج کل فاقہ کشی کا شکار ہیں۔ بعض لیبل بیڑیاں بھی ہیں، مثلاً عزیز بیڑی، صدیق بیڑی، سورج بیڑی، نمبٹ سومرا بیڑی وغیرہ۔ یہ تو چند نام ہیں جن میں ہزاروں مزدور کام کرتے ہیں۔ ایسے نام سینکڑوں میں ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ روزگار مل جائے گا، حکومت بندوبست کر دے۔ تو جناب

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں



راولپنڈی

ایئر کنڈیشنڈ اسمبلی والے محبِ وطن، عوامی اسمبلی والے غدّار



عالم زیب مرزا

اِن دنوں آئین ساز اسمبلی میں مسودہ آئین پر بحث ہو رہی ہے۔ اسمبلی کی بلند و بالا اور ایئر کنڈیشنڈ عمارت میں بیٹھ کر رہنمایانِ قوم ایسا آئین منظور کر رہے ہیں۔ جس سے بقول ان کے "استحصال سے پاک معاشرہ قائم ہو جائے گا۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری کا خاتمہ ہو جائے گا"۔ رہنمایانِ قوم، عوام کو یہ بتا رہے ہیں کہ استحصالی نظام چند دنوں کا مہمان ہے۔ بس آئین بننے کی دیر ہے۔ آئین کے نافذ ہوتے ہی راتوں رات غیر طبقاتی اور استحصال سے پاک معاشرہ قائم ہو جائے گا۔ پھر نہ کوئی محمود ہو گا نہ ایاز، اس اسمبلی میں استحصال سے پاک معاشرہ کے قیام کا مطالبہ کرنے والوں کو محبِ وطن کہا جاتا ہے۔ عوام دوست کہا جاتا ہے۔

لیکن اِس ایئر کنڈیشنڈ اسمبلی سے باہر ایک عوامی اسمبلی ہے، جس میں استحصال کے خاتمے، جاگیرداری اور سرمایہ داری کے خاتمہ کا مطالبہ اور جدوجہد کرنے والوں کو قابلِ تعزیر گردانا جاتا ہے۔ گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے۔ ملک دشمن اور بھارت کے ایجنٹ کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ دیکھئے دونوں اسمبلیوں میں کتنا بڑا تضاد ہے۔ ایئر کنڈیشنڈ اسمبلی میں جاگیرداری اور سرمایہ داری کے "مخالفین" محبِ وطن ہیں۔ اور بڑی اسمبلی میں غدار، ملک دشمن اور بھارت کے ایجنٹ، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایئر کنڈیشنڈ اسمبلی میں جاگیرداری اور سرمایہ داری کی "مخالفت" کرنے والوں کے قول و فعل میں فرق ہے۔ جب کہ عوامی اسمبلی میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے دشمنوں کے قول و فعل میں کوئی فرق نہیں، استحصالی معاشرہ میں اگر کسی کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو تو اسے سب سے بڑا "مجرم" سمجھا جاتا ہے۔

ایئر کنڈیشنڈ اسمبلی سے باہر پیپلز لیبر فرنٹ کے رہنما باوا رفعت نے استحصال سے پاک معاشرہ کے قیام کیلئے جدوجہد کی، تو لوٹ کھسوٹ کے نظام کے حامیوں اور رکھوالوں کی پیشانیوں پر بل پڑنے لگے۔ باوا رفعت ان کی نظروں میں "خطرناک شخص" بن گیا۔ چنانچہ اندھیروں کے متوالوں نے پُر اسرار طور پر اغوا کر لیا۔ مزدوروں کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ سڑکوں پر نکل آئے۔ ۲۳ مارچ کو پنڈی کے ہزاروں محنت کشوں اور مظلوم عوام نے ایک جلوس نکالا۔ جس کی قیادت معراج محمد خان نے کی، مزدوروں نے مطالبہ کیا کہ باوا رفعت کی پُر اسرار گمشدگی سے پردہ اٹھایا جائے ابتدا میں اربابِ اقتدار نے اس مطالبہ پر دھیان نہ دیا۔ لیکن مزدوروں کا مطالبہ زور پکڑتا گیا آخر کار باوا رفعت کے پُر اسرار اغوا پر سے پردہ اٹھانے کا فرض اسلام پسند اخبار "نوائے وقت" کو سونپا گیا۔ جس نے ۲۲ مارچ کو ریلویز سرخی کے ساتھ یہ خبر شائع کی کہ "رفعت باوا" کو بھارت سے پاکستان میں داخل ہوتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا، خبر میں بتایا گیا کہ سیالکوٹ پولیس نے ان کو "خطرناک شخص" اور "بھارت کا ایجنٹ" ہونے کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ اب کوئی اربابِ اختیار سے پوچھے کہ مزدور ملک دشمن اور غدار ہے۔ تو محبِ وطن کون ہے؟ کیا "محبِ وطن" وہ جاگیردار، وڈیرے اور گماشتہ سرمایہ دار ہیں۔ جنہوں نے ہمیشہ برطانوی نو آبادکاروں کی حمایت کی۔ اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان کی قومی آزادی کو سامراج کے ہاں گروی رکھ دیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مزدور اور کسان سب سے بڑا محبِ وطن ہوتا ہے۔ جاگیرداروں گماشتہ نوکر شاہی اور سرمایہ داروں نے ہمیشہ غداری کی ہے۔

یہ تو تھا باوا رفعت کی پُر اسرار گرفتاری کا ذکر، آج کل پنڈی میں مزدوروں کا معاشی قتلِ عام وسیع پیمانے پر کیا جا رہا ہے۔ متعدد صنعتی اداروں میں مزدوروں کو برطرف

کیا جا رہا ہے۔ تفصیل یہ ہے۔

ادارے کا نام	برطرف کئے جانیوالے مزدوروں کی تعداد
راحت وولن ملز	۵۲
علی آٹوز	۴۰
جی۔ ٹی۔ ایس	۲۶
مغل انڈسٹری	۶
کے۔ کے۔ ڈرائی کلینرز	۱۲
کوکاکولا فیکٹری	۱۲

کھپرو میں بجلی تو درکنار کھمبا تک نظر نہیں آتا

نیاز احمد

تحصیل کھپرو کے عوام نے تقریباً پانچ سال تک متواتر شہر کھپرو کے لئے بجلی حاصل کرنے کی کوششیں کیں۔ لیکن سابقہ حکومت کے وزیروں نے اپنے دورے کے دوران تقریروں میں یہاں کے عوام سے وعدے کئے کہ ۱۹۷۰ء کے دوران بجلی فراہم کردی جائے گی۔ بجلی کی فراہمی کے دوران اُن وزیروں نے کھپرو تحصیل کے دورے کرنا چھوڑ دیئے۔ اس کے بعد پیپلز پارٹی کے لیڈروں نے انتخابات سے پہلے تحصیل اور شہر میں کئی مرتبہ جلسے کئے جن میں عوام سے یہ وعدہ کیا گیا کہ پیپلز پارٹی کے برسر اقتدار آتے ہی شہر کو بجلی فراہم کرا کر دی جائے گی۔ لیکن اُن لیڈروں کے وعدے صرف وعدے رہے۔ اس کے بعد وفدوں نے محکمہ کے افسران سے ملاقاتیں کیں اور ان سے کھپرو شہر کو بجلی فراہم کرنے کے مطالبے کئے۔ یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ شہر کو جلد سے جلد بجلی فراہم کردی جائے گی۔ اس کے بعد پیپلز پارٹی برسر اقتدار آئی تو شہریوں کے ایک وفد نے صوبائی وزیر بجلی و آب پاشی سے ملاقات کی اور مطالبہ کیا کہ کھپرو شہر کو بجلی مہیا کی جائے۔ صوبائی وزیر نے وفد کو یقین دلایا کہ کھپرو شہر کو تین ماہ کے اندر بجلی فراہم کر دی جائے گی۔ لیکن بجلی تو درکنار بجلی کا ایک کھمبا بھی نظر نہیں آتا۔ عوام کا پرزور مطالبہ ہے کہ بجلی فوری طور پر مہیا کی جائے۔

منگورہ

وادیٔ سوات کے محنت کش جاگ اُٹھے

نمائندہ الفتح

وادیٔ سوات کے صدر مقام منگورہ میں ۱۶ مارچ ۷۳ء جمعہ کے دن ضلع سوات، دیر، مالاکنڈ کے مزدوروں، کسانوں طالب علموں نے ایک عظیم الشان ریلی منعقد کی۔ منگورہ کی سلک فیکٹریوں کے ۸ ہزار سے زائد مزدور سرخ جھنڈے اور بینر اٹھائے ہوئے ۱۶ مارچ کی صبح کو رحیم آباد بجلی گھر کے قریب جمع ہو گئے۔ پروگرام کے مطابق مزدوروں، کسانوں کا یہ جلوس ۱۱½ بجے قبل دوپہر رحیم آباد سے روانہ ہونا تھا۔ لہٰذا مالاکنڈ، دیر اور سوات کے ہزاروں کسان سخت سردی کے باوجود ۱۰ بجے آنا شروع ہو گئے۔

کسان سرخ ٹوپیوں، سرخ جھنڈوں اور سرخ ڈنڈوں سے مسلح ہو کر بڑے بڑے جلوسوں کی شکل میں پیدل اور بسوں پر آ رہے تھے۔ برف پوش پہاڑوں کے درمیان سرخ رنگ کی ٹوپیاں اور جھنڈے ایک عجیب اور دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔ منگورہ کے ہزاروں مزدور جو پہلے سے رحیم آباد بجلی گھر کے قریب جمع ہو گئے تھے۔ آنے والے کسانوں کا خیر مقدم "مزدور کسان اتحاد زندہ باد"، "مزدور کسان راج زندہ باد"، جاگیرداری، سرمایہ داری برباد ہو" کے نعروں سے کرتے ٹھیک ۱۱½ بجے نوّے ہزار سے زیادہ کسان جمع ہو گئے تھے۔ اور پاکستان مزدور کسان پارٹی کے صدر میجر اسحاق محمد اور پارٹی کے ممتاز رہنما افضل بنگش، سرحد پارٹی کے صدر جناب قادر خاں لالہ، جنرل سیکرٹری شیر علی باچہ اور پاکستان مزدور کسان پارٹی کے جنرل سیکرٹری مسٹر غلام نبی کلو بھی وہاں پہنچ گئے۔ جوں ہی مزدوروں، کسانوں نے اپنے رہنماؤں کو دیکھا، پورا علاقہ فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا۔ مزدور کسان پارٹی کے ممتاز رہنما افضل بنگش ۸ ماہ کی روپوشی کے بعد پہلے عوامی اجتماع میں شریک ہو رہے تھے۔ جلوس کی قیادت، پاکستان مزدور کسان پارٹی کے صدر اسحاق محمد اور جناب افضل بنگش نے کی۔ جلوس جب منگورہ میں داخل ہوا تو مقامی کالج اور اسکولوں کے طلباء کی بھاری تعداد بھی جلوس میں شامل ہو گئی۔ اور "مزدور کسان طالب علم اتحاد زندہ باد" کے نعروں سے مزدوروں کسانوں کا خیر مقدم کیا۔ اور اس کے علاوہ منگورہ کے غریب دکانداروں اور کاروباری عوام نے بھی بھاری تعداد میں جلوس میں شرکت کی۔ مکانوں سے جلوس پر پھول نچھاور کئے۔ جلوس کے ہمراہ ملیشیا لیوی اور پولیس کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مارچ کر رہی تھی۔ پچاس سے زائد پولیس گاڑیاں جلوس کے پیچھے آ رہی تھیں۔ اس طرح وہ منگورہ کے غریب عوام اور سوات کے کسانوں کو خوفزدہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر کسی کسان نے ان کا یہ تاثر قبول نہیں کیا۔ کیونکہ اب وادیٔ سوات کا مزدور اور کسان جاگ اٹھا ہے۔ اور اس وادیٔ جنت بے نظیر کو جاگیرداروں اور اجارہ داروں کی بجائے محنت کشوں کی جنت میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ پاکستان کے سرمایہ داروں کی وادیٔ سوات تفریح گاہ ہے۔ مگر سوات کے غریب عوام کوئٹہ، کراچی اور لاہور کے شہروں میں محنت مشقت کرتے نظر آتے ہیں۔ وادیٔ سوات کے سابقہ ریاستی نظام کے ظلم و جبر نے سواتی محنت کشوں کی پیداواری قوت کو سلب کر رکھا تھا۔ ریاستی نظام کو کاغذی طور پر ختم کیا گیا ہے۔ ریاستی نظام کا معاشی ڈھانچہ جاگیرداری نظام جوں کا توں قائم ہے۔ ریاستی جاگیردار جو کسانوں سے ایک مخصوص ٹیکس وصول کرتے تھے، اب اراضی کے مالک بن گئے ہیں۔ ہل چلانے والے کسانوں کو بیدخل کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ زمین کا ٹھیکہ جیسے سوات میں قلنگ کیا جاتا ہے، کی رقم میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے، جو کسانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ جس سے سوات کا کسان بھی ہشت نگر کی کسان تحریک میں شامل ہو گیا ہے۔ اور اب وادیٔ سوات میں ایک ہی آواز گونج رہی ہے کہ "جہڑا واہوے او ہو کھاوے"۔ مزدور کسان راج زندہ باد۔

سوات کے مقام منگورہ، سیدو شریف میں سلک فیکٹریوں کے آٹھ ہزار مزدور بھی تالہ بندی کی وجہ سے بے کار ہو گئے ہیں۔ لہٰذا مزدوروں کی آواز بھی کسانوں کی آواز سے مل گئی ہے۔ اسی طرح سوات کے طلبہ جن کے رہنماؤں کو نیپ اور جمعیت کی حکومتوں نے ایف سی آر کے تحت جیلوں میں بند کرایا تھا۔ ان کی رہائی کے لئے تحریک چلا رہے تھے۔ جواب مزدور کسان ریلی کے بعد رہا کر دیئے گئے ہیں، بھی مزدوروں کسانوں کے ساتھ مل کر مزدور کسان راج کے قیام کے لئے جدوجہد میں شریک ہیں۔ مزدوروں، کسانوں اور طلبہ کا یہ عظیم جلوس میجر اسحاق محمد، افضل بنگش کی قیادت میں منگورہ اور سیدو شریف کے بازاروں کا چکر لگا کر گراسی گراؤنڈ میں پہنچ گیا۔

وہاں مولانا صادق پلٹی شیر خانی مالاکنڈ ایجنسی نے نماز جمعہ پڑھائی۔

پورے تین بجے جلسہ کا آغاز ہوا مولانا محمد صادق کی تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض شاہجہان ایڈوکیٹ نے سرانجام دیئے۔ اور صدارت کے فرائض میجر اسحاق محمد نے سرانجام دیئے۔ اس وقت جلسہ گاہ میں مزدوروں کسانوں طلباء۔ اور منگورہ کے غریب عوام کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی اور ابھی بے شمار لوگ گروہ در گروہ جلسہ گاہ کی طرف آرہے تھے جو جلسہ گاہ میں جگہ نہ پاکر سڑکوں پر جمع ہوگئے اور بعض ارد گرد کے کسانوں کی چھتوں پر جمع ہوگئے۔ شاہجہان ایڈوکیٹ نے ایک قرارداد پیش کی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ کراچی، حیدرآباد، پشاور اور دیگر صنعتی شہروں سے گرفتار کئے گئے تمام مزدوروں، کسانوں کو رہا کیا جائے۔ کراچی مزدور کسان پارٹی کے جنرل سیکرٹری شفیع حسین اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے خلاف وارنٹ گرفتاری واپس لیئے جائیں۔ مزدوروں، کسانوں پر تشدد بند کیا جائے۔ فیکٹریوں میں تالہ بندی ختم کرائی جائے۔ راولپنڈی پیپلز لیبر فرنٹ کے چیف ارگنائزر رفعت باوا کو فوری طور پر آمد کیا جائے اور ان کی گمشدگی کے بارے میں مزدوروں کو حقائق سے آگاہ کیا جائے۔ صوبہ سرحد اور پنجاب و دیگر علاقوں مزارعین کی بے دخلیاں بند کی جائیں۔ یہ قرارداد "مزدور کسان راج زندہ باد" کے نعروں کی گونج میں منظور کی گئی۔ پاکستان مزدور کسان پارٹی کے صدر میجر اسحاق محمد نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ مزدور کسان پارٹی پر ہر قسم کے ظلم و استحصال کے خلاف جدوجہد کر رہی ہے لہٰذا اس پارٹی میں کسی استحصال طبقے یعنی جاگیردار اور سرمایہ دار کو شامل ہونے کی اجازت نہیں۔ انہوں نے مزارعین کی بے دخلیوں پر تشویش کا اظہار کیا اور کسانوں مزدوروں سے اپیل کی کہ وہ متحد ہو کر جاگیرداروں کے خلاف اپنی جدوجہد کو تیز کر دیں۔ جناب محمد افضل بنگش جو ۸ ماہ کی روپوشی کے بعد پہلے جلسہ عام سے خطاب کر رہے تھے نے بتایا کہ جاگیردار کسی بھی صوبہ سے تعلق رکھتا ہو وہ عوام کا دشمن ہے اس طرح مظلوم کسی بھی صوبے سے تعلق رکھتا ہو وہ عوام کا دوست ہے انہوں نے بتایا کہ منگورہ کے لوگ جانتے ہیں کہ سوات کے خوانین جن کا تعلق نیپ۔ جمعیت قیوم لیگ۔ جماعت اسلامی۔ پیپلز پارٹی سے تھا۔ انہوں نے اکٹھے ایک وفد کی صورت میں ڈپٹی کمشنر سے درخواست کی مزدور کسان پارٹی کا جلسہ روک دیا جائے دیکھا آپ نے یہ لوگ اسلام آباد میں کیا کرتے ہیں اور یہاں کیا کرتے ہیں۔ تمام جاگیردار ایک ہیں لہٰذا مزدوروں، کسانوں کو بھی متحد ہو جانا چاہیئے۔

بقیہ: ظہور الٰہی

مسلم لیگیں، اور نیپ ایوب حکومت کو آخری سہارا دینے کے لئے گول میز کانفرنس کے گرد چکر کاٹتیں۔ ملک کے طول و عرض میں قیامت برپا تھی۔ عوام سڑکوں پہ نکل آئے تھے۔ ایوب خان کا راج سنگھاسن ڈول رہا تھا۔ سیاسی بحران اپنے عروج پر تھا۔ اس وقت بھی چوہدری ظہور الٰہی اپنے دھندے سے لگے ہوئے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس زمانے میں انہوں نے مغربی پاکستان کے سابق گورنر موسیٰ خان کے بھائی محمد اسحاق اور سابق ڈپٹی سیکرٹری ظہیر سجاد کو دو لاکھ روپے رشوت دیکر گورنمنٹ سنٹر شاہدرہ کی ۵۲۵ کنال زمین صرف ۴۲ لاکھ روپے میں حاصل کرلی۔ یہ راز اس وقت کھلا جب نیشنل فین تیار کرنے والی کمپنی کے مالکان محمد دین اینڈ سنز نے ہائی کورٹ میں اس سودے کے خلاف رٹ درخواست دائر کردی۔ اور اس زمین کے لئے ایک کروڑ روپے کی پیشکش کی۔

ابھی یہ مقدمہ عدالت میں زیر سماعت تھا کہ یحییٰ! حکومت کا زوال ہوا اور اقتدار ملکات پیپلز پارٹی کے ہاتھ آیا۔ ظہور الٰہی کونسل لیگ کے رہنما ہیں، جو حزب اختلاف کی ایک جماعت ہے۔ مگر جماعتی وفاداریوں کو بالائے طاق رکھ کر انہوں نے پیپلز پارٹی کی حکومت کو یہ پیش کش کی کہ اگر حکومت اس زمین کا فیصلہ عدالت سے ان کے حق میں کرادے تو وہ خواتین کے انتخابات میں اپنے ووٹ پیپلز پارٹی کو دیں گے۔ مگر ان کی یہ پیش کش مسترد کردی گئی۔ اور ان کی امداد کے بغیر بھی خواتین کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کی امیدوار کامیاب ہوگئیں۔

چوہدری ظہور الٰہی کے بارے میں یہ نئی بات نہیں، وہ قومی اسمبلی میں حکومت کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، اور درپردہ اس سے مراعات حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ جب ناکام ہوتے ہیں تو کہرام برپا کرتے ہیں۔ جتنی بڑی ناکامی ہوتی ہے، اتنا ہی زیادہ ان کی تقریروں اور بیانات میں طنطنہ ہوتا ہے۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ ہوتی ہے۔ نام عوام کا، جمہوریت کا، ملک اور قوم کا ہوتا ہے اور سیاست اپنی ذات کی ہوتی۔ ہے۔

لوگو! یہ کیسی قوم ہے، یہ کیسے عوام ہیں، یہ کیسی جمہوریت ہے، یہ کیسا قانون ہے؟ جو شخص قوم کی جڑیں کھوکھلی کرے، وہ قوم کا رہبر کہلائے۔ جو عوام کا استحصال کرے وہ خود کو عوام کا ہمدرد، غم گسار کہے۔ جو جمہوریت کو قتل کرے، وہی جمہوریت کا علمبردار بنے۔ جو قانون شکنی کرے، وہی قانون سازی بھی کرے۔ یہ کیا تماشہ ہے؟ یہ کیا روپ بہروپ کا ناٹک ہے؟

لیکن یہ "سیاسی بہروپ" چوہدری ظہور الٰہی کی سماجی اور سیاسی زندگی کا ایک روپ ہے۔ ان کی پہلودار شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں، بہت سے رخ ہیں۔ یہ چور دروازوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ اب ہر دروازہ کھلتا جائے گا، ہر پردہ اترتا جائے گا۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی سامنے آجائے گا۔ چوہدری ظہور الٰہی عوام کی خدمت اور جمہوریت کے تحفظ کے دعویدار ہیں۔ حقائق کا یہ آئینہ بھی عوام اور جمہوریت کی خاطر پیش کیا جارہا ہے۔ سیاست میں یہی تو مشکل ہے۔ اس میں فرد کی زندگی اپنی نہیں رہتی۔ عوام کی ملکیت بن جاتی ہے۔

حیدرآباد

حبیب بنک ایمپلائز فیڈریشن کا قیام

حبیب بنک ایمپلائز یونین کے زیر اہتمام ۱۲ مارچ کو ایک عظیم الشان سالانہ کنونشن منعقد ہوا جس میں پاکستان بھر سے حبیب بنک لمیٹڈ کے ملازمین کے تمام نمائندگان نے شرکت کی۔ کنونشن کی صدارت پیر دیدار احمد سرہندی صدر آل بنک ایمپلائز فیڈریشن نے کی۔ کنونشن میں کل پاکستان بنیادوں پر "حبیب بنک ایمپلائز فیڈریشن" کا قیام اور اس کے عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی انوار الایمان فاروقی تھے جب کہ مقررین میں متحدہ مزدور فیڈریشن کے شاہ رضا خان، نیشنل لیبر فیڈریشن کے عاشق علی، اسٹیٹ بنک کے محمد جمن، نیشنل بنک کے احمد علی، حبیب بنک کے شہزاد پاشا، یونائیٹڈ بنک کے تنویر ملک، مسلم کمرشل بنک کے قربان رانو، اسٹینڈرڈ بنک کے عقیل زیدی اور سندھ مرکنٹائل کوآپریٹو بنک کے علی احمد شامل تھے۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض آل بنک ایمپلائز فیڈریشن کے سیکرٹری جنرل حبیب الدین جنیدی اور سیکرٹری تعلقات عام مصور احمد نے انجام دیئے۔ کنونشن کے اختتام پر متعدد قراردادیں منظور کی گئیں جن میں مطالبہ کیا گیا کہ گرفتار شدہ مزدور رہنماؤں کو رہا کیا جائے، بنک ملازمین کو منافع میں سے ۵ فی صد ادا کیا جائے، تمام برطرف شدہ بنک ملازمین اور مزدوروں کو بحال کیا جائے اور حبیب بنک ایمپلائز فیڈریشن کو سوداکار ایجنٹ تسلیم کیا جائے۔

سکھر

بورژوا سیاسی پارٹیاں بے نقاب ہوگئیں

نمائندہ الفتح

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن رشید گروپ سکھر کے کنوینر سردار جیلانی نے راولپنڈی فائرنگ، کی سخت مذمت کی ہے۔ اور اس کو وحشیانہ اقدام قرار دیا ہے۔

ایک اخباری بیان میں سردار جیلانی نے کہا کہ سامراج دشمنی، جمہوریت پسندی اور مزدور کسان دوستی کے نعروں پر عوام کے ووٹ لینے والی جماعت نے محض چند ماہ میں اپنے تمام وعدوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ اور ان گنت مزدوروں ہاریوں، سیاسی کارکنوں، طلباء اور مظلوم قیدیوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لئے ہیں۔

انہوں نے مخالف پارٹیوں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ یہ جماعتیں حصولِ اقتدار کے لئے عوام کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتی ہیں۔ دن رات عوام کے لئے جانیں قربان کرنے کی قسمیں کھانے والے لیڈر گولیوں کی بوچھاڑ میں عوام کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ ان کا سابقہ کردار تو قوم کے سامنے ہے ہی، لیکن انہوں نے عوام کو اپنے پیروں پر جھکوانے اور اپنے علاقہ میں کسی کو جوتا پہن کر گزرنے کی اجازت نہ دینے والے کو جمہوری محاذ کا سربراہ بنا کر اپنی پول کھول دی ہے۔ عوام ان لیڈروں کے فریب میں ہرگز نہیں آ سکتے۔ سردار جیلانی نے سندھ کے نام نہاد قوم پرست لیڈروں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ پورے ملک اور خصوصاً سندھ میں عوام پر بے پناہ مظالم، جمہوریت کے قتل اور چھوٹی قومیتوں کے حقوق غصب کرنے پر یہ لوگ چپ سادھے بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ وڈیروں اور سامراج کے حواریوں کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں اور ثابت ہو گیا ہے کہ یہ لوگ سندھیوں اور دیگر چھوٹی قومیتوں کے حقوق کا نعرہ محض محنت کشوں کو آپس میں لڑانے کیلئے لگاتے ہیں۔

سردار جیلانی نے مطالبہ کیا ہے کہ پنڈی سانحہ کی عدالتی تحقیقات کروائی جائے۔ تمام سیاسی کارکنوں، طلبہ، ہاریوں، مزدوروں اور صحافیوں کو رہا کیا جائے۔ اخبارات سے پابندیاں اٹھائی جائیں۔ بلوچستان اور سرحد میں اکثریتی جماعت کو اقتدار سونپا جائے۔ "عراقی اسلحہ" کی تحقیقات کروائی جائے۔ سینٹو اور دوسرے سامراجی معاہدے منسوخ کئے جائیں۔ تمام آمرانہ اور فسطائی اقدامات ختم کئے جائیں۔ شناختی کارڈ اسکیم منسوخ کی جائے۔ راولپنڈی کے مزدور رہنما رفعت حسین کے پُر اسرار اغوا کی عدالتی تحقیقات کروا کے انہیں آزاد کیا جائے۔ این۔ ایس۔ ایف کے صدر ڈاکٹر رشید حسن خان کے گرفتاری وارنٹ منسوخ کئے جائیں، اور نیپ حکومت کے ہاتھوں کالے قوانین کے تحت سزا پانیوالے این ایس ایف سوات کے رہنما علی حیدر کو رہا کیا جائے۔

این ایس ایف سکھر کے کنوینر نے اپیل کی ہے کہ تمام بورژوائی سیاسی پارٹیاں عوام کے سامنے پوری طرح بے نقاب ہو چکی ہیں۔ اس لئے تمام انقلابی سیاسی کارکنوں اور طلباء کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی جدوجہد تیز کر کے عوامی جمہوری تحریک کو آگے بڑھائیں۔ تاکہ پاکستانی عوام ویت نامی حریت پسندوں کی طرح منظم ہو کر ہندوستانی توسیع پسندوں، روسی سوشل سامراج اور امریکی سامراج کی سازشوں کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔ مزدوروں، ہاریوں، درمیانہ طبقہ اور چھوٹی قومیتوں کے استحصال کا خاتمہ کر کے عوامی جمہوریت قائم کی جا سکے۔

ڈگری

وڈیروں نے کسانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا

مصطفےٰ رضا

ڈگری ضلع تھرپارکر کا پسماندہ علاقہ ہے۔ یہاں کسانوں کی اکثریت ہے۔ یہ کسان صدیوں سے وڈیروں چوہدریوں کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ وڈیروں اور جاگیرداروں کو ہمیشہ پولیس کا تعاون اور حمایت حاصل رہتی ہے۔ کیونکہ جاگیردارانہ و سرمایہ دارانہ نظام میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا نوکر شاہی سے گٹھ جوڑ ہوتا ہے۔ جب مظلوم طبقات، مزدور اور کسان اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کرتے ہیں، اور اپنے غصب شدہ حقوق کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں تو استحصالی طبقوں کے مفادات کی محافظ نوکر شاہی اور پولیس حرکت میں آجاتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ان دنوں ڈگری پولیس نے مظلوم ہاریوں کی زندگی اجیرن کردی ہے۔ وڈیروں کے اشارے پر بے گناہ ہاریوں کو جھوٹے مقدمات میں ملوث کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ دنوں بزرگ ہاری اور مزدور کارکن میر فتح خان تالپور کو جھوٹے الزامات میں ملوث کر کے گرفتار کر لیا گیا۔ میر فتح خان تالپور پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی رکن ہیں۔ جس وقت سندھ میں پیپلز پارٹی کا نام لینا بھی جرم تھا۔ اس وقت میر فتح خان نے پیپلز پارٹی کے لئے بڑی لگن سے کام کیا۔ پارٹی کے دیگر لیڈروں کے ساتھ پورے ضلع تھرپارکر کا دورہ کیا۔ اور پارٹی کا منشور تھر کے گھر گھر پہنچایا۔

اس کے علاوہ دو اور ہاریوں کو دفعہ ۱۱۰ کے تحت گرفتار کیا گیا ہے۔ ڈگری سے دو میل دور ایک دیہات ہے۔ یہاں کے زمیندار نے محمد شریف نامی کسان کو بے دخل کرنے کی کوشش کی، لیکن اس نے مزاحمت کی۔ چنانچہ محمد شریف کے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا گیا۔ محمد شریف نے مزدور رہنما عمر بلوچ سے ملاقات کی اور تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ عمر بلوچ نے کسان کی مدد کی۔ اور عوام دوست عناصر سے رابطہ قائم کیا، تاکہ شریف کو اس کا حق دلایا جائے۔ وڈیروں کو جب اس بات کا علم ہوا۔ اور وہ اپنے اختلافات بھول کر متحد ہو گئے۔ اور کسانوں کے خلاف ایک "متحدہ محاذ" بنانا۔ وڈیروں کا خیال تھا کہ اگر محمد شریف اپنا حق لینے میں کامیاب ہو گیا۔ تو اس کا اثر سب کسانوں پر پڑے گا۔ اس لئے شریف اور اس کے حامیوں کی جدوجہد کو اس بری طرح کچل دیا جائے کہ آئندہ کسی ہاری کو بغاوت کرنے کی ہمت نہ ہو۔ چنانچہ ایک منظم منصوبہ کے تحت پولیس کو آگے بڑھایا گیا۔ پولیس نے شریف کو تھانے بلوا کر ڈرایا دھمکایا۔ اور کہا کہ اپنے زمیندار سے جلد فیصلہ کر لو۔ اور اس کی بات مان لو ورنہ تمہیں جیل میں بند کر دیا جائے گا۔ اب شریف انصاف کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ دیکھئے اسے کب انصاف ملتا ہے۔

بقیہ: افسانہ

تھی۔ چراغ آباد جاگ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی ان کے فیصلے کی اطلاع دے دی تھی۔ دفاع کی تیاریاں فوراً مکمل ہو گئیں۔ کسان اٹیک اور فتح کرنے والے تھے۔ اس تاریکی اور سناٹے میں اقبال کی نظریں حملہ آوروں کو تلاش کر رہی تھیں ۔۔۔۔ رات بیت رہی تھی اور یہ رات اقبال کی پرانی زندگی کی آخری رات تھی ۔۔۔۔ یہ رات ختم ہو رہی تھی اور دور مشرق سے کرنیں پھوٹنے والی تھیں۔

پیداواری وسائل پر ہر فرد کے یکساں طور پر حقوق تسلیم کئے جائیں

احسان عظیم

قومی حقوق' محنت کشوں کی اکثریت کا مسئلہ ہے

گزشتہ پچیس سال کے دوران حکمران طبقات اپنے طبقاتی اور گروہی مفاد کے تحت دیگر مسائل کی طرح قومی حقوق کا مسئلہ کے حقیقی حل کی راہ میں رکاوٹ برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ قومی حقوق کے سلسلے میں محنت کش عوام کی سیاسی، نظریاتی اور تنظیمی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حکمران طبقات اور ابھرتے ہوئے قومی سرمایہ دار طبقہ اور دوسرے استحصالی گروہ قومی حقوق کو اپنے طبقاتی اور گروہی مفاد کی تکمیل کے لئے باہم سودا بازی میں مصروف ہیں۔

لفظ قوم پیار، محبت، اپنائیت اور بھائی چارے کے جذبہ کو بیدار کرتا ہے۔ لیکن طبقاتی سماج میں استحصالی طبقات اپنے طبقاتی اور گروہی استحصال کے لئے پیار و محبت کے اس قومی جذبے کو محنت کشوں کے درمیان نفرت اور باہمی ٹکراؤ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ملک کے مختلف طبقات کے نزدیک قومی حقوق کا اپنا مفہوم ہے۔ بڑے سرمایہ داروں پر مشتمل حکمران طبقات کے لئے ملک کو بلا رکاوٹ ایک کھلی منڈی ہونا چاہیئے تاکہ عوام کا بڑے پیمانے پر استحصال کر سکیں۔ چنانچہ اپنے طبقاتی اور گروہی مفاد کے پیشِ نظر ایک ملک' ایک قوم' ایک خدا، ایک قرآن اور ایک زبان کے نظریاتی دائرہ میں مضبوط مرکز کا سیاسی ڈھانچہ بنا رکھا ہے۔ ملک میں موجود قوموں کی نفی کرتے ہوئے، قومی حقوق کی ہر جدوجہد کو نظریۂ اسلام، نظریۂ پاکستان اور ملکی سالمیت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ حکمران طبقات کی اسی سوچ اور طرزِ عمل کے نتیجہ میں بھارتی توسیع پسندوں، روسی سوشل سامراجیوں اور سامراجیوں کو بنگال کے ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں سے گٹھ جوڑ کرنے اور بنگال پر قبضہ کرنے کا موقع ملا۔ بڑا سرمایہ دار طبقہ بنگال کی علیحدگی کے بعد بھی اپنی پرانی روش پر قائم ہے۔

پس ماندہ اور مظلوم قوموں کے ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں کے پاس سرمایہ کی کمی کی وجہ سے چونکہ بڑے سرمایہ داروں سے مقابلہ کی سکت نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے طبقاتی اور گروہی مفاد اور عوام کے استحصال میں اپنے موثر حصے کے لئے مضبوط مرکز کے مقابلے میں صوبائی خود مختاری یا زیادہ سے زیادہ خود مختاری کا سیاسی نعرہ بلند کرتا ہے۔ معاشی میدان میں صوبائی حدود میں موجود پیداواری وسائل اور ملازمتیں انہی صوبوں کے افراد کی فراہمی، علاقائی زبانوں کے استعمال اور ذریعہ تعلیم کا نعرہ بلند کرتا ہے' اور اپنے ان سیاسی' معاشی اور ثقافتی نعروں کو قومی حقوق قرار دے کر قوم کی اکثریت کو اپنے پیچھے لگانے کی کوشش کرتا ہے۔

حالانکہ صوبے حقیقت میں قومی وحدت نہیں ہیں۔ بلکہ ریاست کی انتظامی اکائیاں ہیں۔ صوبائی خود مختاری خواہ کتنی ہی زیادہ ہو، پیداواری وسائل پر قبضہ خواہ مقامی افراد کا ہو، اور ذریعہ تعلیم خواہ مقامی زبان قرار پائی جائے، قوم کی اکثریت یعنی محنت کش عوام بدستور، سیاسی، سماجی اور ثقافتی حقوق سے محروم رہیں گے۔

قومی مفاد کا مطلب قوم کی اکثریت کا مفاد ہے۔ قوم کی اکثریت ہاریوں، مزدوروں اور درمیانہ طبقہ کے افراد پر مشتمل ہے۔ اس طرح قومی حقوق کا مسئلہ بنیادی طور پر قوم کے محنت کشوں پر مشتمل اکثریت کا مسئلہ ہے۔ سیاسی طور پر قومی حق کا مطلب سماجی، اقتصادی اور علاقائی بنیاد پر قومی ریاستوں کی تشکیل کے ذریعے وفاقی ریاست کا قیام ہے، جس میں خود اختیاری کے تسلیم شدہ اصول کے مطابق اپنی پسند اور ضرورت کے لحاظ سے ریاستی ڈھانچہ اور اداروں کا قیام، بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نمائندہ چننے اور عدم اعتماد کے ذریعے ہٹانے اور مردم شماری کے لحاظ سے قوم کے تمام طبقات اور پیشوں کی طبقاتی نمائندگی کے ذریعے ہی قوم کی اکثریت اپنے قومی اور سیاسی حقوق حاصل کر سکتی ہے۔

معاشی حق کا مطلب قومی حدود میں موجود پیداواری وسائل سے قوم کے تمام افراد کو یکساں فائدہ اٹھانا ہے۔ ملک کے پیداواری وسائل یعنی کھیت، کارخانہ اور کانیں وغیرہ اگر ذاتی ملکیت میں ہیں تو قبضہ خواہ غیر کا ہو، یا قوم کے کسی ایک فرد یا گروہ کا قوم کے ہاری، مزدور اور درمیانہ طبقہ کے افراد معاشی آزادی اور خوشحالی سے محروم ہی رہیں گے اس لئے قوم کی اکثریت کا معاشی مفاد اس بات میں ہے کہ قومی حدود میں موجود پیداواری وسائل اور روزگار کو پوری قوم کے مفاد میں استعمال کرنے کے لئے زمینداری کا مکمل خاتمہ اور اجارہ دارانہ نوعیت اور بھاری و بنیادی صنعتوں کی ذاتی ملکیت ختم کر کے اجتماعی ملکیت بنایا جائے تاکہ قوم کی اکثریت کو روزگار کی ضمانت حاصل ہو سکے۔ اور اپنی پیداواری جدوجہد کے ذریعے غذا، لباس، رہائش و علاج کی ضروریات پوری کر سکے۔ مجموعی طور پر پوری قوم کی ترقی اور خوشحالی حاصل کر سکے۔

قوم کا ثقافتی حق صرف یہ نہیں ہے کہ قومی زبان سرکاری بن جائے یا قومی زبان میں تعلیم دی جائے۔ تعلیم اگر تجارتی بنیاد یعنی پیشوں سے ہے، تو تعلیم قومی زبان میں ہو یا غیر باہری زبان میں قوم کی اکثریت یعنی ہاریوں' مزدوروں اور درمیانہ طبقات کے عوام کی اکثریت تعلیم کے حصول اور ثقافتی ترقی سے محروم ہی رہے گی۔ قوم کی اکثریت کو ثقافتی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ قومی زبان کو سرکاری زبان قرار دیکر عام استعمال میں لائی جائے۔ مادری زبان میں تعلیم دی جائے تاکہ تخلیقی ذہن ابھرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم کو اعلیٰ سطح تک مفت اور عام کیا جائے، تاکہ ہاریوں' مزدوروں اور درمیانہ طبقہ کے کم آمدنی رکھنے والے بھی اپنے بچوں کو ڈاکٹر، انجینئر جج وکیل اور سائنسدان وغیرہ بنا کر ثقافتی طور پر ترقی کر سکیں۔

قومی حقوق کے حصول اور تحفظ کا مسئلہ ادھورا رہے گا۔ اگر قوم کی عظیم تر اکثریت قومی و ملکی دفاع اور اپنے طبقاتی مفادات کی حفاظت کے لئے مسلح نہیں ہے، چنانچہ عوام کو مسلح ہو کر قوم' ملک کا دفاع کرنے اور طبقاتی مفاد کی حفاظت کے لائق بنانا ضروری ہے۔

قوم کی اکثریت کے سیاسی، معاشی اور ثقافتی حقوق کی جدوجہد کو ہی حقیقی معنی میں قومی جدوجہد قرار دیا جا سکتا ہے۔

حلقۂ قارئینِ الفتح

حلقۂ قارئینِ "الفتح" میں شمولیت اختیار کیجئے (ادارہ)

با اثر افراد نے صنعتی منصوبوں کو تارپیڈو کر دیا

سید عثمان

راولپنڈی سے اگر صوبہ سرحد جائیں تو کیمبل پور کے پسماندہ علاقے سے گزرنا پڑتا ہے۔ پنجاب اور سرحد کے درمیان یہ علاقہ حدِ فاصل ہے۔ مادرِ وطن کی خاطر قربانی اور ایثار کی وجہ سے اس علاقے کا نام ہمیشہ فخر سے لیا جاتا ہے۔ پاکستان کی بری افواج کی اکثریت اسی ناہموار اور نیم صحرائی خشک خطے سے تعلق رکھتی ہے۔ ماضی میں بھی یہ علاقہ بہت اہم رہا۔ برصغیر پر حملہ آور درہ خیبر سے آکر اسی سرزمین سے گزرتے تھے۔

ایوبی آمریت کے خلاف جب تحریک شروع ہوئی تو کیمبل پور کے غیور بیٹے بھی خون دینے چلے آئے۔ سماجی، اقتصادی اور سیاسی انصاف کی خاطر جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں کود پڑے۔

انتخابی مہم کے دوران بھٹو صاحب یہاں تشریف لائے تو لوگوں نے انہیں اپنی پلکوں میں جگہ دی۔ انہیں اپنی امنگوں کی تکمیل ان کی پارٹی کے منشور میں نظر آئی۔ تاہم لوگوں کی پسماندگی اور ناخواندگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ضلع کے جاگیردار اور سرمایہ دار اپنے روایتی مکر سے کامیاب ہوئے۔ البتہ صوبائی اسمبلی میں پیپلز پارٹی کے دو ممبر منتخب ہوئے۔ ان میں ایک ملک حاکمین خان (پنجاب کابینہ میں وزیر جیل خانہ جات) ہیں۔

کیمبل پور ضلع کے مزدوروں، کسانوں اور طلباء میں عوامی تحریک کو ابھارنے میں معراج محمد خان کا کردار بھی قابلِ ستائش ہے۔ انتخابی مہم کے دوران معراج یہاں آئے اور اپنے پرخلوص جذبات اور نظریات کی بدولت یہاں کے غریبوں کے دل جیت لئے۔ پیپلز پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد بحیثیت وزیرِ مملکت ہمارا جیالا معراج ایک مرتبہ پھر ہمیں عزت بخشنے آیا۔ اپنے مانوس اور محبِ وطن طلبہ کی تنظیم این۔ ایس۔ ایف کے اسٹیج سے للکارا۔ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی عیاری اور بدمعاشی کو بے نقاب کیا۔ تاہم لوگ اس مرتبہ کچھ مطمئن نظر نہ آتے۔ کچھ لوگ کہنے لگے کہ جب پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار نہ تھی تب سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیتی تھی۔ ملک کے غاصب ۲۲ خاندانوں کو گندے جراثیموں کا ڈھیر کہتی تھی۔ اور اب اقتدار پر قابض ہونے کے بعد بھی وہی پرانی رٹ لگائی جا رہی ہے۔ کیا پیپلز پارٹی کے پاس عوامی طاقت نہیں؟ کہ لٹیروں اور غریبوں کو آپس میں لڑانے والوں کو ختم کیا جا سکتا۔؟ شائد معراج بھی ان کے احساسات کو بھانپ گیا۔ کیسے نہ بھانپتا، وہ تو پیداوار ہی غریبوں اور محنت کشوں کی ہے۔ چند ماہ بعد معراج محمد خان کے استعفےٰ بلکہ ظالموں کے خلاف اعلانِ جنگ کی خبر پہنچی تو ان کے دلوں میں تمام شکوک بادلوں کی طرح چھٹ گئے۔ یہاں کے عوام اور نوجوان ایک انقلابی جماعت کی پیدائش کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔

ماضی کے جمہوریت دشمن آمروں کو عوامی فلاح و بہبود سے تو آشنائی ہی نہ تھی۔ لیکن منتخب نمائندوں نے بھی چپ سادھ لی۔ امید کی جو کرن پھوٹی تھی، جلد ہی سازشوں کی تاریکی میں ڈوب گئی۔ جامع منصوبہ بندی کی طرف توجہ دینے کی بجائے مزدوروں کے سینے چھلنی کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ کیمبل پور جیسے غیر آبپاشی علاقوں کو صنعت سے نوازا جاتا۔ کیمبل پور ایسا علاقہ ہے، جہاں بارش اور کنوؤں کے بغیر کھیتی باڑی ناممکن ہے۔ اگر ایک سال بارش نہ ہو تو قحط کا عالم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس مرکزی پنجاب کے علاقوں کی ایک وسیع و عریض زمین کو فیکٹریوں کی گندگی سے بنجر بنا دیا گیا ہے۔ اس کی مثال لاہور اور گجرات کے درمیان دوڑتی ہوئی سڑکوں کے کنارے زیرِ آب زمین کی شکل میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان پانیوں سے مختلف وبائی امراض پھیلتے رہتے ہیں۔ ۲۵ سال کے بعد پہلی مرتبہ کیمبل پور میں اسلحہ ساز فیکٹری کا کام شروع کیا گیا ہے۔ کسی زمانے میں یہاں گتے اور دوا ساز فیکٹری کا پروگرام زیرِ غور تھا۔ یہ انڈسٹری قائم کرنے کے لئے منصوبے تیار کر لئے گئے تھے۔ لیکن ضلع کے معزز اور با اثر افراد نے ملی بھگت سے ان منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ انہیں ڈر تھا کہ اس سے مزدور وجود میں آئیں گے۔ ان کا اتحاد سرمایہ داروں اور زمینداروں کے نفاق کا باعث بنے گا، نوابزادوں کی عیاشی اور تن آسانی پر ضرب پڑے گی، بڑی بڑی جاگیریں ویران ہوں گی۔ لہٰذا صنعتی منصوبوں کو دبا دیا گیا۔ مصطفےٰ کھر، گورنر پنجاب کا عہدہ سنبھالنے کے بعد یہاں تشریف لائے۔ پیپلز پارٹی کے مقامی رہنماؤں نے برملا کہا کہ کیمبل پور کو قربانی کا بکرا تو بنایا جاتا ہے، لیکن یہاں ترقی نہیں ہوتی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیمبل پور کو صرف فوج پیدا کرنے کا فرض سونپا جا چکا ہے۔ گورنر پنجاب نے وعدہ کیا تھا کہ پسماندہ علاقوں کو خاص طور پر ترقی دی جائے گی۔ لیکن "سپاہِ دانش" کی صنعت کے علاوہ کوئی تعمیری منصوبہ عمل میں نہیں آیا۔

کیمبل پور میں بے روزگاری کا دور دورہ ہے۔ پڑھے لکھے بے روزگار نوجوان ظاہری ٹیپ ٹاپ میں آپ کو مقامی ہوٹلوں میں جھوٹے دکھاوے کا پیچھا کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اس کے علاوہ اگر شہر سے نکل کر اس کے منڈیروں اور دیہاتوں میں جھانکیں تو عجیب منظر آنکھوں کے سامنے آئے گا۔ مائیں، بیٹیاں نظر آئیں گی ان کے جسموں پر سوائے آنکھوں کے اور کوئی چیز نہیں کہ جس سے زندگی کا اظہار ہو اور یہ آنکھیں اس انتظار میں لمحے کاٹتی ہیں کہ کب بھینس گوبر کرے اور یہ اپنی گوبر ٹوکری آگے بڑھائیں۔ کیا زندگی ہے؟ کیسی ذلت ہے؟ جوشیلے اور حساس لوگ جب اپنی بہنوں کی یہ تذلیل دیکھتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ نئی دنیا کی عورت عروج پر ہے اور ہماری ملکی عورت کو کس پستی میں دھکیل دیا گیا ہے۔ کہاوت مشہور ہے کہ اگر کسی قوم کے تہذیب و تمدن کو دیکھنا ہو تو وہاں کی عورت کو دیکھو۔ ہماری عورت کیا ہے؟ شہروں میں یہ بالکل مصنوعیت کا مجسمہ ہے اور دیہاتوں میں اپنی اصلی اور ناقابلِ برداشت رنگ میں وقت کے بوجھ تلے دبی جا رہی ہے۔ ہماری اصلی ثقافت موجودہ دور میں یہی ہے اور یہ انتہائی شرمناک ہے۔ لاہور کے عوامی میلوں کی ثقافت نقلی اور برآمد شدہ ہے بلکہ ملک میں پھیلی ہوئی گندگی پر چمکتا ہوا پردہ ہے۔ اس پر فضول سرمایہ ضائع کیا گیا ہے۔ اس سرمائے سے اگر کیمبلپور جیسے غریب علاقے کے فاقہ مستوں کے پیٹ بھرے جائیں تو یہ عمل موزوں ترین ہوتا۔ بدن ڈھانپے جاتے تو صحیح ثقافت کی حفاظت ہوتی۔

اب ضلع کے غریب عوام کا، اپنے دوسرے ہموطنوں کی طرح، صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا ہے۔ بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔



چارسو مزدوروں کو پابندِ سلاسل کردیا گیا

ہمیں آج سات ماہ سے زائد ہو چکے ہیں مگر ظلم و ناانصافی مسلسل مسلط ہے۔ گدّو تھرمل کے محنت کشوں پر وسیع ظالمانہ اقدام صرف اس لئے اٹھایا گیا کہ وہ اپنے غصب شدہ حقوق کی بحالی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ لیکن بدعنوان اور عوام دشمن انتظامیہ نے البارئیو کنسٹرکشن کارپوریشن کی انتظامیہ کی خوشنودی کے لئے گدّو کے محنت کشوں کو یکطرفہ تشدد کا نشانہ بنایا۔ اس سراسر ظلم کی لپیٹ میں ایک ہزار مزدور آئے۔ جن میں چار سو مزدوروں کو پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ چھ سو سے زائد محنت کشوں کو پولیس فورس کے بل بوتے پر گدّو سے باہر نکال دیا گیا۔ جیل میں مقید مزدوروں سے جبری استعفے لکھوائے گئے۔ اس ظالمانہ کارروائی میں ڈسٹرکٹ انتظامیہ جیکب آباد نمایاں طور پر شامل رہی۔ جن مزدوروں نے معافی نامے لکھنے سے انکار کیا، ان پر ظلم و تشدد کیا گیا۔ یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ پورے ملک میں ٹریڈ یونین سرگرمیوں کو کچلنے اور مزدوروں کو کچلنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں مزدوروں پر وحشیانہ ظالمانہ تشدد، وسیع گرفتاریاں، نام نہاد مقدمات کا قیام اس بات کا ثبوت ہے کہ مزدوروں کو فورس کے ذریعے دبایا گیا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ وزیرِ محنت، وزیر اعلیٰ کے کئی احکامات کو البارئیو کے افسران نے ردّی کی ٹوکری کے حوالے کیا۔ مگر صوبائی حکومت نے ان کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ انہی باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے اب یہ آخری فیصلہ کیا ہے کہ اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر ظلم سے نجات حاصل کریں۔ یہ صورتِ حال ایک جمہوری ملک اور عوامی حکومت کے لئے انتہائی افسوسناک ہے کہ محنت کش طویل عرصہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کریں اور انہیں تمام قانونی حق سے محروم رکھا جائے۔ اس لئے ہم نے تا مرگ بھوک ہڑتال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

(غلام حیدر لالہ خیل مزدور گدّو تھرمل ڈسٹرکٹ جیل جیکب آباد)

کالاپل کے باسی حکومت کو اس کا وعدہ یاد دلانا چاہتے ہیں

انتخابات سے تقریباً دو ماہ قبل میں اور میرے ۵ ساتھی پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے تھے۔ پیپلز پارٹی میں شامل ہونے کی سب سے بڑی وجہ اس کا منشور تھا، جو تمام دوسری پارٹیوں سے اچھا تھا۔ یہ منشور چار بنیادی اصولوں پر مبنی تھا۔ پیپلز پارٹی نے انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ اور اس کی کامیابی سوشلزم کے نعرے اور عوام کی حمایت کی، مرہونِ منت تھی۔

موجودہ حکومت" عوام کے کندھوں پر سوار ہو کر اقتدار کی کرسی تک پہنچی تھی۔ لیکن برسرِ اقتدار قیادت اپنے کارکنوں اور غریب عوام کو بھول گئی۔ الیکشن کے وقت کارکنوں نے بھی اپنی ہائی کمان کی طرح لوگوں سے بڑے بڑے وعدے کئے تھے۔ اور خود کمال اظفر صاحب جب بھی آتے تو یہ کہتے تھے کہ پیپلز پارٹی کے برسرِ اقتدار آتے ہی کالاپل کی یہ زمین آپ لوگوں کو آلاٹ کر دی جائے گی۔ لیکن صد افسوس کہ وہ اپنا وعدہ بھول گئے۔ اس وعدہ خلافی کی وجہ سے ہم کارکن لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔

کالاپل کے باسی گزشتہ ۲۵ سال سے آباد ہیں۔ یہ غریبوں کی بستی ہے۔ کوئی مزدور ہے، تو کوئی چپڑاسی، چوکیدار یا دفتر کا بابو۔ یہاں پر پانی نہیں ہے۔ پانی ریلوے ملازمین سے مانگ کر استعمال کیا جاتا ہے۔ گندگی کی کوئی انتہا نہیں۔ شاید اتنی گندگی، کے۔ ایم۔ سی کے گندگی کے گودام میں بھی نہ ہو۔ ملیریا تو یہاں کی عام بیماری ہے۔ مہینے میں ہر شخص ایک بار اس کا شکار ضرور ہوتا ہے۔ اس کی وجہ مچھروں کی زیادتی ہے۔ اس کالونی کی اراضی ابھی تک اس کے رہنے والوں کو آلاٹ نہیں کی گئی۔ لہٰذا ہمارا مطالبہ ہے کہ ہمیں پلاٹ آلاٹ کئے جائیں۔ پانی و بجلی کا بندوبست کیا جائے۔ زچہ خانہ اور گورنمنٹ ڈسپنسری قائم کی جائے۔ کم از کم مڈل اسکول بنایا جائے۔ اور گندے پانی کی نکاسی کا انتظام کیا جائے ——— (اورنگ زیب کالاپل کراچی)

بقیہ: اداریہ

تحت منتخب ہوئے ہیں۔ اُن کی مقبولیت میں کمی نے ملک گیر نفرت کا روپ نہیں دھارا۔ تاہم پنجاب اور سندھ میں مزدوروں اور کسانوں پر زیادتیوں، مہنگائی، بدعنوانیوں، اقربا پروریوں اور غلط پالیسیوں نے نفرت کا بیج بو دیا ہے۔ صدر بھٹو نے اپنی تقریر کے دوران طلبا سے خطاب کرتے ہوئے اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے اس کی ذمہ داری جماعت اسلامی پر عائد کی ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟ الگ موضوع ہے۔ اس کی وجہ پیپلز پارٹی کے غلط اقدامات بھی ہیں۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا، مختصر یہ کہ ابھی حالات ایسے نہیں جیسے کہ ایوب خان کے دور میں تھے۔

ہمیں اقتدار کی اس لڑائی میں صرف وہی کام کرنا ہے جو بیرونی جارحیت اور ہتھکنڈوں کے خلاف ملک کا دفاع کرنے میں معاون ہو، مزدوروں، کسانوں، محروم اور مظلوم طبقات کو اُن کے حقوق دلا سکے۔ یہ مقصد صرف کاغذوں پر لکھنے یا زبانی بحث مباحثے سے حاصل نہ ہوگا۔ اقتدار کی رسہ کشی میں کسی کی دُم بننے سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بلکہ صرف اور صرف بائیں بازو کے مخلص، ایماندار، محب الوطن کارکنوں کے اتحاد سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ عوام سے رابطہ قائم کرنے اور انہیں منظم کرنے سے بڑی کامیابیاں قدم چومیں گی۔

بائیں بازو کے دیانتدار کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی تمام سرگرمیاں اس نکتے کے حصول پر مرکوز کریں۔ اگر وہ بورژوا سیاست کے الٹ پھیر میں الجھیں گے تو وہ ایکبار پھر اپنے اصل مقصد سے ہٹ جائیں گے۔

بقیہ: احوالِ واقعی

مقابلہ کرنا ان کے لئے مقابلتاً سہل ہوگا۔

ہفت روزہ "ایشیا"، کا پورا مضمون پڑھ جایئے نیپ کے خلاف ایک لفظ نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس متحدہ محاذ میں مودودیوں کی توقع کے برخلاف جماعت اسلامی کو زیادہ وقعت دی گئی ہے۔ جماعت اسلامی کے غفور احمد

کو جنرل سیکرٹری بنایا گیا ہے۔ جس پر تبصرہ کرتے ہوتے "دالیشیا"، اسے محاذ کی "سیاسی بصیرت کی دلیل" قرار دیتا ہے۔

جماعت اسلامی کے اخبارات اور قیادت عوام کو یہ باور کرا رہی ہے کہ متحدہ جمہوری محاذ فسطائیت کا مقابلہ کرنے کے لئے بنایا گیا۔ اور محاذ میں شامل تمام جماعتوں میں اختلافات ختم ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس کا ثبوت مولانا مودودی کا خط ہے گو مولانا اب جماعت کے امیر نہیں رہے۔ لیکن جماعت ان کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی۔ دراصل جماعت اسلامی محاذ میں اس لئے شامل ہوئی ہے کہ وہ نیپ کے کندھوں پر سوار ہو کر اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔

اس موقع پر نیپ کے مخلص اور ایماندار کارکنوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی قیادت سے اس امر کی وضاحت طلب کریں کہ جماعت اسلامی سے سمجھوتہ کن اصولوں کی بنا پر کیا گیا ہے۔ ایک سوشلسٹ اور سیکولر پارٹی کا مذہبی جماعت سے اتحاد ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ دونوں کے مقاصد جدا ہیں۔ دونوں کی منزل اور راستے مختلف ہیں۔

دو مخالف سیاسی پارٹیوں کے درمیان کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کیلئے اتحاد ایک قابلِ ستائش عمل ہے۔ لیکن سیاسی اتحاد بھی اصولوں پر ہوتے ہیں۔ کارکنوں اور عوام کو اعتماد میں لیا جاتا ہے۔ راتوں رات کسی جاگیردار یا سرمایہ دار کے وسیع لان یا کشادہ کمرے میں بیٹھ کر اجتماعِ ضدین کا اتحاد، اقتدار میں شرکت یا سیاسی دباؤ کا کارگر نسخہ تو ثابت ہو سکتا ہے لیکن عوام کے وسیع تر مفادات کا مظہر کبھی نہیں بن سکتا۔ عوام کو ایسے سیاسی اتحاد کا تجربہ کئی بار ہو چکا ہے۔ اور اس کا نتیجہ بھی ہمیشہ عوام کے حق میں صفر ہی نکلا ہے۔ حزبِ اختلاف کی پارٹیوں کا تازہ ترین اتحاد کا نتیجہ بھی جلد ہی عوام کے سامنے آجائے گا۔ اور عوام ایک بار بھی یہ تلخ تجربہ کریں گے کہ سیاسی پارٹیوں کا یہ اتحاد محض "سمجھوتہ بازی" کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔ کیونکہ اوّل تو اس سیاسی اتحاد میں کسی اصول کو مدِنظر نہیں رکھا گیا ہے، دوئم حکمران طبقے کی سیاسی چیرہ دستیوں کے خلاف سیاسی اتحاد کرنے والی جماعتیں بھی ظالم اور استحصالی طبقات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اقتدار اور لوٹ کھسوٹ سے محرومی نے انہیں یکجا کر دیا ہے۔ اور یہ ایک ساتھ مل کر عوام کی اکثریت کو اقتصادی اور سیاسی طور پر لوٹنے کھسوٹنے کے لئے "اتحاد" کا چکر چلا رہی ہیں۔

نیپ اور جماعت اسلامی کے منشور اٹھا کر دیکھ لیں، دونوں کے نظریات میں زمین آسمان کا فرق ملے گا۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دونوں میں آخر کن اصولوں کی بنیاد پر سیاسی اتحاد ہو گیا۔ طرّہ یہ ہے کہ جماعت کا مردِ بیمار اس اتحاد کے خلاف ہے۔ ایک طرف اتحاد کے مؤثر ہونے کا چرچا کیا جا رہا ہے، دوسری جانب مودودی اپنے خط میں اس قسم کے اتحاد پر خفگی اور بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہیں۔ جب سیاسی پارٹیوں کی ہائی کمان میں ایکدوسرے کے خلاف عدمِ اتحاد کے جذبات موجود ہوں تو عوامی سطح پر اس کے کس قسم کے نتائج برآمد ہوں گے؟ ظاہر ہے کہ اسلام، جمہوریت اور نظریۂ پاکستان کے نام پر بدنام سیاسی چہروں کا جھوٹا سیاسی اتحاد کسی طور پر عوام کے حق میں نہ نکلا ہے نہ نکلے گا۔

بقیہ: امدادی فنڈ میں خرد برد

عظیم اجتماع سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سرکاری افسران کے خلاف بے گھر افراد میں کتنی بے چینی اور بے اطمینانی موجود تھی۔ جلسۂ عام میں چار ہزار افراد نے افسران اور جائزہ کمیٹیوں کی بدعنوانی کے بارے میں تحریری شکایتیں پیش کیں۔ جو بعد میں متعلقہ افسران تک پہنچا دی گئیں۔ اسی دوران حکومت کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ متاثرہ افراد کی آبادکاری اور امداد پر اب تک ۴ کروڑ روپے خرچ کئے جا چکے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنی بڑی رقم کہاں خرچ کی گئی۔ اور کن لوگوں پر خرچ کی گئی یہ ایک جواب طلب مسئلہ ہے، کیونکہ یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ رقم متاثرہ افراد کی آبادکاری اور امداد پر خرچ نہیں کی گئی، اگر اعلیٰ پیمانے پر اس معاملے کی تحقیقات کرائی جائے تو افسران کی بدعنوانیاں سامنے آجائیں گی۔

عوام کو پیپلز پارٹی کی حکومت سے بڑی توقعات وابستہ تھیں کہ اس کے نمائندے امداد اور آبادکاری کے کاموں کی باقاعدہ نگرانی کریں گے اور کسی سطح پر کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہونے دیں گے۔ لیکن سیالکوٹ کے متاثرہ علاقوں میں امدادی سامان کی تقسیم اور کلیموں کی منظوری کے دوران جس قسم کی دھاندلی، رشوت ستانی، اقربا پروری کا ریکارڈ قائم کیا گیا ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ عوامی ووٹوں سے اقتدار میں آنے والی پارٹی کے نمائندے عوامی مسائل سے منہ پھیر کر بیٹھ گئے ہیں۔ اور اپنی تمام ذمہ داریاں نوکر شاہی کو منتقل کر دیں جو گذشتہ ۲۵ سالوں سے اجارہ دار سرمایہ داروں، جاگیرداروں، کٹر مذہبی جماعتوں، اور ملاؤں کی خدمت کرتی آ رہی ہے۔ بظاہر تو نوکر شاہی کے نمائندے حکومتِ وقت کو اپنی وفاداری اور حب الوطنی کا یقین دلاتے ہیں لیکن درپردہ وہ مفاد پرست طبقے کے اشاروں پر رقص کرتے ہوئے ہر شعبۂ حیات میں بے چینی اور بے اطمینانی کو بڑی تیزی سے جنم دے رہے ہیں۔

سیالکوٹ اور دیگر متاثرہ علاقوں میں جس بڑے پیمانے پر امدادی سامان میں ہیرا پھیری کی جا رہی ہے وہ ہماری قومی غیرت کے لئے ایک چیلنج ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ مردے کے گھر سے کچھ نہ ملے تو اس کا کفن ہی گھسیٹ لیا جائے حکومت اور متعلقہ وزیر کو جو یقیناً اتنی بے خبری کے عالم میں نہ ہوں گے فوری طور پر اس معاملے کی چھان بین کرنی چاہیئے۔ اور اگر یہ بات درست ثابت ہو جائے کہ متاثرہ علاقوں کو دی جانے والی رقم میں اتنے بڑے پیمانے پر دھاندلی کی گئی ہے تو اس کے ذمہ دار افراد کو قوم کے سامنے ننگا کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی تمام کلیموں کی بھی چھان بین کی جائے اور جائز کلیموں کی ادائیگی میں ایک سیکنڈ کی تاخیر نہ کی جائے۔ تاکہ جنگ سے متاثر ہونے والے افراد کے دلوں میں تباہی و بربادی کے جو زخم لگے ہیں، ان کے مندمل ہونے کا کچھ سامان پیدا ہو۔

بقیہ: بیڑی کے مزدور

عالی عرض ہے کہ پہلے ہمارے ملک میں بڑی بے روزگاری ہے۔ ہمارا ملک غریب ملک ہے یہاں پہلے ہی بہت کم کارخانے ہیں۔ اور اگر ہیں بھی تو ان میں پہلے جو مزدور کام کرتے ہیں، ان کی گذر بھی مہنگائی کے اس قیامت خیز زمانہ میں نہیں ہوتی۔

پھر فرماتے ہیں کہ اسمگلنگ ہو گی!

میں سوال کروں گا کہ چند دن ہوئے اکبر بگٹی نے کہا ہے کہ چینی، گندم سرحدوں سے اسمگل ہو رہی ہے۔ یاد رہے اس وقت سے پہلے اور اب تک ہم پتا نہ ہونے کی وجہ سے بے روزگار ہیں۔ کیا ایسی حالت میں یہ معاملہ بند ہو گیا؟ آپ اکبر بگٹی کے بیان کی تردید کریں گے؟

فرمایا پتا ختم کر دو (کسٹم والا)

نقصان کس کا ہو گا؟ ہزاروں لاکھوں روپے سمندر میں ڈوب جائیں گے۔ کبھی کوئی گھڑی یا ریڈیو سیٹ جو اسمگلنگ میں پکڑی جاتی ہے۔ ان کو آگ لگائی جاتی ہے؟

اور آپ نے لاڑکانہ کے بعض بیوپاریوں پر الزام لگایا ہے کہ کھلے بندوں پتہ چلا رہے ہیں۔ حکومت چشم پوشی برت رہی ہے۔

کتنا اچھا ہوتا کہ شاہ جی ان کے نام بھی واضح کر دیتے۔ لیکن لگتا ایسا ہے کہ شاہ جی نے لاڑکانہ نہیں دیکھا۔ بلکہ خواب میں الہام ہوا کہ لاڑکانہ کا نام بدنام کر دو۔ شاہ جی یہ آواز آپ کی نہیں! ہمارے لئے ایسی آوازیں پہلے بھی ابھرتی رہیں ہمارے دل پر کیا کیا گذرتی رہتی ہے ۔۔۔ بڑا دکھ ہوتا ہے۔

حلقۂ قارئینِ "الفتح"

- آپ "الفتح" پڑھتے ہیں
- آپ کے علاقے میں کچھ اور لوگ بھی الفتح پڑھتے ہیں
- آپ آپس میں مل کر ان موضوعات پر تبادلۂ خیال کرتے ہوں گے۔
- آپ اپنے علاقے کے مسائل پر بھی آپس میں گفتگو کرتے ہونگے، کچھ تجاویز بھی آپکے ذہن میں آتی ہونگی۔
- کیا آپ باقاعدگی سے اپنے اپنے علاقے میں مہینے میں ایک بار یا دو بار نہیں مل سکتے۔؟ پھر ہمیں لکھیں کہ آپ نے کیا سوچا، کیا بحث کی، کیا تجاویز پیش کیں۔
- اس طرح مختلف علاقوں کے مسائل اور ان پر اپنے ہم خیال دوستوں کی سوچ بھی سامنے آئے گی۔

ہم پھر سب مل جل کر پورے ملک کے مسائل پر بھی کچھ سوچ سکیں گے اور کچھ رائے قائم کر سکیں گے۔

- ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ "الفتح" کے مرکز سے کوئی صاحب آپ کے حلقے سے تبادلۂ خیال کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں آئیں۔
- آپ کا اس تجویز کے بارے میں کیا خیال ہے؟
- کیا ملک کی سلامتی، عوام کی بہتری، غریب و مفلس عوام کے حقوق کے حصول کیلئے "الفتح" کے قارئین اس طرح ایک ٹھوس اور فعّال کردار انجام نہیں دے سکتے؟
- اپنی سوچ سے مطلع کرنے کے لئے ہمیں لکھیے۔

انچارج حلقۂ قارئین "الفتح"

ہفت روزہ "الفتح"، ۸۷-ڈی، نرسری۔ کمرشیل ایریا کراچی ۲۹- فون: ۴۱۲۲۷۴

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
5-12, APRIL, 1973